پر قدرت رکھتے ہیں، اسلئے ان کی ہر نظم پر جوش اور پر کیف ہے، اور موجودہ شعراء کی طرح محض لفاظی اور غالب کی نقالی سے کام نہیں لیا گیا ہے،

اختلافاتِ مرزا، مؤلفہ مولوی حافظ نور محمد خان مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور صفحات ۳۲ قیمت ۲/

اس رسالہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے متعارض و متناقض اقوال کو جمع کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ پیغمبر نہ تھے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا کے کلام اور انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اختلاف و تناقض نہیں ہوتا، رسالہ کی زبان مناظرانہ ہے،

الاعلام المرفوعہ فی حکم الطلقات المجموع، مصنفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی صدر مدرس مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ صفحات ۳۲ قیمت درج نہیں،

اس رسالہ میں دکھایا گیا ہے، کہ اگر مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں، تو طلاق دینے والے کو حق رجعت باقی نہیں رہتا، فرقہ اہلحدیث اوس کا مخالف ہے، اور اس رسالہ میں اس فرقہ کے دلائل کی تردید بھی کی گئی ہے،

تذکرہ قوم کوکنی، حصہ اول مؤلفہ منشی عبد الحمید خان بوہرے، صفحات ۵۶، قیمت ۸/ ملنے کا پتہ درج نہیں،

اس رسالہ میں کوکنی قوم کے تاریخی حالات جمع کئے گئے ہیں اور ان کے تمدنی و معاشی حالات لکھے ہیں،

تحفۂ سعدیہ، مرتبہ جناب مرزا احمد نذیر عرشی دھنولوی دھنولہ، ریاست نابھ (پنجاب) صفحات ۱۰۰، بلا قیمت

اس رسالہ میں شاہ ابو اسعد احمد خان (پنجاب) کے حالات، اخلاق و عادات، علمی نکات اور ملفوظات جمع کئے گئے ہیں،

"ع"

جلد ۳۶ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء | عدد ۳

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی،	۱۶۲-۱۶۴
سسلی میں مسلمانوں کا تمدن،	سید ریاست علی ندوی،	۱۶۵-۱۸۵
امام سفیان ثوری کے سوانح حیات اور تصنیفات،	مولوی امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور،	۱۸۶-۲۰۰
"سرودِ زندگی"	مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین	۲۰۱-۲۱۱
تصوف کی اجمالی تاریخ،	مولانا عبد السلام ندوی،	۲۱۲-۲۱۸
چین میں اسلام اور یورپین طاقتیں،	"ص ع"	۲۱۹-۲۲۵
زلزلہ پر سیاروں کے اثرات،	"	۲۲۵-۲۲۸
اخبار علمیہ،	"ع ز"	۲۲۹-۲۳۲
آب حیات،	حکیم الشعراء سید احمد حسین امجد حیدرآبادی،	۲۳۳
کلام کیفی،	جناب کیفی چریاکوٹی،	"
رباعیات اثر،	جناب عبد السمیع پال صاحب اثر صہبائی، وکیل سیالکوٹ،	۲۳۴
"شرح دیوانِ مومن"،	"ع"	۲۳۵-۲۳۷
مطبوعات جدیدہ،	"ز"	۲۳۸-۲۴۰

شذرات

۱۲؍ماہ اگست کو حیدر آباد کے سفر سے واپسی ہوئی، ڈیڑھ ماہ کے قیام حیدر آباد میں دکن کے احباب، اور عمائد نے جس محبت سے ذرہ نوازی کی، وہ میرے استحقاق سے زیادہ تھی، ہز اکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر نے خلعت پارچے نوازش کی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اعلیحضرت سلطان العلوم ہز اگزالٹڈ ہائنس شہریار دکن خلد اللہ تعالیٰ ملکہٗ و دولتہٗ نے یاد فرماکر باریابی بخشی، اور الوانِ خاصہ سے سرفراز فرماکر ہمچشمون مین حقیر کی توقیر بڑھائی،

الٰہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانبان را
نظام الملک آصفجاہ **عثمانِ علی** خان را

آجکل اعلیحضرت شہریارِ دکن کی بست و پنج سالہ جوبلی کے اہتمام و انتظام کی دھوم دھام ہے، دکن کی یہ سلطنت گو دکن کے رقبۂ حکومت میں محدود ہے، مگر سچ یہ ہے کہ اُسکے انوارِ کرم کی تابانی سے ملک ہند کا ذرہ ذرہ روشن ہے، وہ اپنی تاریخی روایات کی بنا پر سلطنت مغلیہ کی یادگار، اور ہندوستان کی اُمیدوں کا چراغ ہے، جس امن و امان، عدل و انصاف اور ہندو مسلمانوں کی باہم یکجہتی کے منظر یہاں آنکھوں کے سامنے سے گذرتے ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کی سلطنت جب زندہ ہوگی تو اس مین اور کیسے کیسے دلفریب اور دلکش مناظر ہونگے، ضرورت ہے کہ اس تاریخی جشن کے موقع پر جو یکم شوال سے شروع ہوگا، پورا ملک ہند، دکن کی اس خوشی و مسرت میں شریک ہو، خصوصاً ملک کا تعلیمی و علمی حلقہ جو خاصہ وسیع ہے، اس قدردانی و قدرافزائی کا اعتراف کرے جو اس فیاض سلطنت کی جانب سے اسکی ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہتی ہے،

سرکار بھوپال کی طرف سے سیرۃ النبی صلعم کی تالیف کیلئے دار المصنفین کو دو سو ماہوار کی امداد شروع سے مل رہی تھی،

لیکن بعض مالی دقتوں کے سبب سے ریاست نے اس امداد کو کئی برس سے نصف کر دیا تھا، پھر پچھلے سال سے دس فیصدی کی تخفیف کے اصول پر جو پوری ریاست میں جاری ہے اتنے سے گھٹ کر نوّے روپے ہوگئے، اس دفعہ حیدرآباد کے سفر میں بھوپال سے گذرنا تھا، اس موقع کو غنیمت جانکر تین روز بھوپال ٹھہرا، اور دوستوں کی ملاقات کا لطف اٹھایا، اسی درمیان میں حضور پر نور ہز ہائنس فرمانروائے بھوپال ادام اللہ تعالیٰ ملکہٗ نے ملاقات کی عزت بخشی، اور مختلف امور اصلاحی پر گفتگو فرمائی، دار المصنفین کی خدمات اور اسکی ضرورتوں کا حال معلوم فرماکر خود بنفس نفیس بدستور مقررہ رقم دو سو ماہوار کے اجرار کا حکم صادر فرمایا، اللہ تعالیٰ اس فیض رسان اور قدرشناس فرمانروا کو اپنے حفظ و امان میں رکھے،

سیرت کی پانچویں جلد جو عبادات سے متعلق ہے زیر طبع تھی، سفر کی غیر حاضری کے سبب سے اس کا چھپنا روک دیا گیا تھا، اب پھر اس کی چھپائی شروع ہوگئی ہے، شاید یہ جلد ساڑھے تین سو صفحوں میں تمام ہو جائے، اس وقت تک تین سو صفحے چھپ چکے ہیں، امید ہے کہ باقی صفحے، اور فہرست اور ٹائٹل وغیرہ تین مہینوں کے اندر چھپ جائیں، اور دسمبر تک یہ ناظرین کے ہاتھوں میں آجائے،

ان دنوں مطبع معارف سے دو نئی کتابیں چھپکر شائع ہوئی ہیں، ایک **عربوں کی جہازرانی** اڈیٹر معارف کے قلم سے، یہ دراصل وہ چند خطبے ہیں، جو مارچ ۱۹۳۱ء میں بمبئی میں سنائے گئے تھے، اور اب انکو بمبئی کی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن نے اپنے سلسلہ میں لیکر شائع کیا ہے، کتاب دو سو صفحوں میں ہے، اور ایسوسی ایشن مذکور کے لائق سکریٹری آصف فیضی ایم اے ۴۲ چوپاٹی روڈ بمبئی کے پتہ سے ملیگی، نفع عام کے خیال سے اسکی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے،

دوسری کتاب "چینی مسلمان" ہے، جس کو چین کے نوجوان مسلمان عالم و ادیب بدر الدین چینی صاحب

بی اے (جامعہ) نے اپنے ہندوستان کے تعلیمی قیام کے زمانہ میں لکھا، اور مطبع معارف نے چھاپا ہے، اس میں سب سے پہلی دفعہ چینی مسلمانوں کی تاریخ، اور اُن کے ہر قسم کے موجودہ قومی، مذہبی، تعلیمی، علمی اور سیاسی حالات نہایت مستند ذریعوں سے لکھے گئے ہیں، مسلمانوں کو اس ملک کے دور افتادہ مسلمان بھائیوں کے حالات سے جو دلچسپی ہے، اس کی بنا پر یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اور پڑھینگے ضخامت گو تین سو صفحوں سے زیادہ ہے، مگر قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ رکھی گئی ہے،

ہمارے صوبہ کے پیرسال لیکن جوان ہمت بزرگ مولوی **بشیر الدین** صاحب (اٹاوہ) کی قومی و تعلیمی خدمات سے کون واقف نہیں، ان کی پیری رشکِ جوانی ہے، ان کا وجود اس بات کی مثال ہے کہ دُھن کے پکے لوگ کیسے ہوتے ہیں، انھوں نے اپنی تنہا کوشش سے اسلامیہ اسکول قائم کیا، اس کی عمارت بنائی، اس کا بورڈنگ بنایا، ایک نادر کتبخانہ فراہم کیا، اور اس کس مپرسی کے عالم میں اخبار البشیر کو اس وقت سے لیکر آج تک چلا رہے ہیں، کئی سال سے انکی کوشش تھی کہ یہ اسکول انٹرمیڈیٹ کالج بنجائے، حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے، اور زراعت کی تعلیم کے لئے افیون گودام کو مع اسکی ملحقہ آراضی کے ایک روپیہ سال کے پٹہ پر اسکو دیا ہے، ایک بوڑھے کی جوانانہ ہمت و عزیمت نے راستہ یہاں تک طے کیا ہے، اب دوسرے جوانوں کا کام ہو کہ مناسب سرمایہ فراہم کر کے انکی اس کوشش کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ پورے صوبہ میں علیگڈھ کے سوا ہمارا ایک بھی کالج نہیں،

مولانا حالی مرحوم ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے تھے مرحوم کی پیدائش کی صد سالہ یادگار آخر اکتوبر میں حالی ہائی اسکول پانی پت میں اعلیحضرت ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال کے زیر صدارت منائی جائیگی، اس موقع پر مرحوم کے سوانح حیات اور کارناموں پر مختلف تحریریں پڑھی جائینگی اور انکی شہکار تصنیف مسدس کا ایک ممتاز اڈیشن شائع کیا جائیگا،

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدن

از سید ریاست علی، ندوی،

(یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا)

مسلمانوں نے یورپ کے جن خطّوں پر ابتدائً قدم رکھا، اور جن کی فضا میں مدتوں سطوتِ اسلامی کا پرچم لہراتا رہا اور تمدنِ اسلامی کے برکات نازل ہوتے رہے، وہ صقلیہ (سسلی) اور اندلس (اسپین) ہیں، شومیٔ قسمت کہ یہی دونوں خطے آج مسلمانوں کے وجود سے خالی ہیں،

اُنین سے سسلی پر ۳۳ھ / ۶۵۲ء سے ۱۲۲ھ / ۷۳۹ء تک مسلمانوں کے تیرہ[۱] حملے ہوئے، جن کے نتیجہ میں وہ اسلامی حکومت افریقہ کا باجگذار بنا مگر مواعید پر قائم نہ رہ سکا، تا آنکہ مختلف سیاسی اسباب کی بنا پر جن کے بیان کا یہ موقع نہیں، ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء میں مسلمانانِ افریقہ نے اس کو دار الاسلام بنانے کا فیصلہ کیا، اور اسی سال قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں دس ہزار مسلمانوں کا لشکر یہاں حملہ آور ہو کر سکونت پذیر ہو گیا، اور سسلی کی یہ اسلامی حکومت جزیرۂ سسلی اور اس کے ارد گرد کے چند جزائر مالٹا وغیرہ اور اٹلی کے وسیع جنوبی حصص کلبریہ و لنگوبرڈا وغیرہ میں پھیلی، ان جزائر و مقامات میں مسلمانوں کی خاصی آبادی قائم ہو گئی[۲]، اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا، کہ کلیسائے روما کے پاپائے اعظم نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کی، عربوں کی اصطلاح میں ان تمام حصصِ ملک کو مجازاً صقلیہ کہا گیا[۳]

---

[۱] کتاب الممالک والمسالک ابن حوقل ص ۱۲۶، [۲] اس مجازی تعبیر کے لئے دیکھو ابن اثیر حوادث ۳۱۳ھ ابن عذاری حوادث ۳۱۳ھ، تقویم البلدان ابو الفداء و معجم البلدان یاقوت ذکر جبل البرکان (والکنو)

صقلیہ میں اسلامی حکومت کے حسب ذیل مختلف دور گذرے ہیں:-

(۱) دولت اغالبہ ۲۱۲ھ/۸۲۷ء - ۲۹۶ھ/۹۰۸ء،

(۲) دولت فاطمیہ ۲۹۶ھ/۹۰۸ء، ۳۰۰ھ/۹۱۲ء،

(۳) طوائف الملوکی یا دولت ابن قرہب، ۳۰۰ھ/۹۱۲ء، ۳۰۳ھ/۹۱۵ء،

(۴) دولت فاطمیہ ۳۰۴ھ/۹۱۶ء، ۳۳۶ھ/۹۴۷ء،

(۵) دولت کلبیہ ۳۳۶ھ/۹۴۷ء، ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء،

(۶) طوائف الملوکی ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء، ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء،

(۷) صقلیہ میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ، ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء، ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء،

اس کے بعد آخری آٹھواں دور صقلیہ کے مسلمانوں کا عیسوی حکومتوں کے ماتحت گذرا، جو ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء سے ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء تک پر مشتمل ہے، اور انہی دونوں ہجری و عیسوی سنین کی صدیوں کے خاتمہ پر صقلیہ و جزائر صقلیہ مسلمانوں کے وجود سے خالی کرائے گئے، اور اس طرح صقلیہ کے مسلمانوں کی کم و بیش پانسو برس کی تاریخ ہے، جس کی سیاسی سرگذشت سے یہاں بحث نہیں، محض ان کا تمدنی مرقع چند عنوان مباحث عہد اسلامی کا تمدنی جغرافیہ نظام حکومت، معیشت اور علوم و آداب میں پیش ہے،

تمدنی جغرافیہ

صقلیہ کے مسلمان صقلیہ کے ابتدائی حملوں میں جو مسلمان یہاں آتے رہے، وہ عرب کے مختلف قبائل بنو کندہ، بنو فہر، بنو خطلہ، اور قبائل اوس و خزرج کے افراد تھے، انہیں سے بیشتر افریقیہ میں قیام پذیر ہوئے، پھر ان کے تعلقات سسلی سے بھی مستقل قائم ہوئے اور ۲۱۲ھ سے جو مسلمان یہاں سکونت پذیر ہوئے وہ عرب، بربر، اور موالی تھے، اور آیندہ چل کر یہاں کے قدیم باشندوں کی ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی صف میں داخل ہوگئی، جو چوتھی جماعت قرار پائی،

صقلیہ کے عرب قبائل میں بنو تمیم جن میں اغالبہ تھے، اور بنو کلب جنہیں کلبیین تھے، یہاں کے حکمران خاندان تھے، ان کے علاوہ ذیل کے قبائل اور خانوادے یہاں مستقل آباد تھے، جو اپنے انتسابوں سے ظاہر ہوتے ہیں، فہری، ربعی، بکری، ودانی، سہمی، معافری، کنانی، نخمی، قرشی، قیسی، طبری، حضرمی، طرزی اور عامری وغیرہ (ان انتسابات کی تشریح فرداً فرداً کتاب الانساب سمعانی میں موجود ہے، اور صقلیہ میں ان کے وجود کا پتہ صقلیہ کے مختلف اہل علم کی نسبتوں سے چلتا ہے،) صقلیہ کے بربر قبائل میں بنو کتامہ اور بنو طبری زیادہ نمایاں تھے، لیکن ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء میں بعض سیاسی حالات کے ماتحت صقلیہ سے جلاوطن کر دیئے گئے[۱]، جماعت موالی بھی یہاں کچھ کم بارسوخ اور ممتاز نہ تھی[۲]، خصوصاً شاہی خاندان کے موالی نے جماعت بندی سے تفوق حاصل کر لیا تھا اسی لئے ایک سیاسی آویزش کے نتیجہ میں ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء میں ان کا استیصال کیا گیا[۳]، اور صقلیہ کے نومسلموں کی بھی گروہ بندی ہوگئی تھی[۴]،

لیکن صقلیہ کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا بتانا دشوار ہے، واقعات سے ایک اجمالی تخمینہ آپ بھی لگا سکتے ہیں، مثلاً ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں ایک ہی دن سارے جزیرے کے غیر مختون مسلمان بچوں کے ختنہ کی تقریب ایک ہی جشن مسرت کے طور پر انجام پانے لگی، تو جزیرہ میں پندرہ ہزار بچے غیر مختون نکلے[۵]، لیکن مجھے اشتباہ ہوتا ہے، کہ شاید یہ فہرست دار الحکومت بلرم کے بچوں کی ہو، اسی طرح مسٹر ہکاٹ ۳۲۰ھ/۹۳۸ء میں ایک شہر مازر کی ترائی کی مجموعی آبادی چالیس لاکھ بتاتے ہیں، جنہیں نصف مسلمان تھے[۶]،

صقلیہ کی آبادیاں صقلیہ کے شہر اگسٹس کے عہد تک بے رونق اور ویران ہو چکے تھے[۷]، لیکن بیزنطی حکومت نے روم و عرب کی آویزش میں یہاں کے جنگی قلعے نئے سرے سے آباد کر لئے[۸]، پھر اسلامی حکومت نے

۱ نہایۃ الارب نویری در بلوتھیکا اماری ص ۴۴۴ ۲ ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۹، طبع بریل لیڈن ۱۸۶۶ء حوادث ۳۵۹ھ ۳ نہایۃ الارب نویری در بلوتھیکا ص ۴۴۴ و ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۰ بریل ۴ ابن اثیر ج ۹ ص ۱۲ بریل ۵ ابو الفداء ج ۲ ص ۹۶ طبع حسینیہ مصر ۶ اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۴ ۷ اسٹوری آف دی فنیشنس ج ۳۰ (سسلی از فریمان) ۸ نزہۃ المشتاق و معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۳ طبع مصر،

مختلف شہروں کو پُررونق بنانے کے علاوہ ان قلعوں کو بھی جو قدیم سسلی سے بکثرت چلے آرہے تھے، پُرامن آبادیوں میں منتقل کیا، اس طرح صقلیہ کے عہد اسلامی میں تین قسم کی آبادیاں ہوگئی تھیں، شہر[1]، فوجی قلعے، اور قلعے[2] اور شہر کی درمیانی آبادی، اُن کی تعداد الگ الگ مختلف مورخین نے مختلف بتائی ہے، جن سے عمومی طور پر اندازہ ہوتا ہے، کہ مجموعی آبادی ۳۵۰ کے قریب تھی، جن میں ۲۵ شہر لب ساحل تھے، اور ان میں سے ۲۳ بڑے شہر کی حیثیت رکھتے تھے، دو تین اہم شہر اندرون ملک میں بھی تھے[3]، اُن کے نام یہاں گنانے کی ضرورت نہیں، اور نہ انکی تمدنی حیثیت پر روشنی ڈالنے کا وقت ہے، صرف ادریسی کے بیان کو استقصا سے دیکھیے، یہاں کے اکثر شہروں کے ذکر میں پُررونق بازاروں، عالیشان عمارتوں، ہوٹلوں اور حماموں کا تذکرہ نظر آئیگا،

دار الحکومت بلرم مسلمانوں نے فنیقی عہد کے پایہ تخت پنرمس کو دار الحکومت قرار دیا، عربوں کے یہاں اسکے مختلف نام برزم، بلرموا، بلرموہ، بلرمہ، اور بلیرم وغیرہ ہیں، لیکن بالعموم بَلَرْم کہا جاتا ہے، اس عہد میں اس کو وہی شہرت حاصل تھی، جو اندلس میں قرطبہ کو تھی، ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء میں مسلمان اس میں داخل ہوئے، اور اسکی فتح کے بعد کچھ دنوں کے لئے فوجی مہمیں ملتوی کردیں، ملکی نظم ونسق اور شہر کی ترقی میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کے داخلہ کے وقت اس میں تین ہزار باشندے رہ گئے تھے، اسلامی حکومت کے آغاز کے بعد کچھ ہی دنوں میں اسکی آبادی کئی لاکھ نفوس تک پہنچ گئی[4]، شہر میں اضافہ کی ضرورت پیش آئی، مسلمانوں نے قدیم شہر پناہ کے باہر کئی محلے آباد کرلئے، جو اپنی وسعت میں گویا مستقل شہر تھے، ابن حوقل یہاں ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء میں پہنچا، اس نے پانچ آبادیاں ایسی بتائی ہیں، جو مستقل حیثیت رکھتی ہیں، وہ حارۂ بلرم، خالصہ، صقالبہ، حارۃ الجدیدہ، اور حارۃ المسجد ہیں[5]، اور دو اور چھوٹے محلے حارۃ الیہود اور حارۃ ابی حماز کا نام بھی تاریخوں میں آتا ہے،

حارۂ بلرم کو قصر قدیم بھی کہتے ہیں، اغالبہ کے عہد تک یہی حصہ پائے تخت تھا، اس کے بعد سرکاری

[1] نزہۃ المشتاق ادریسی طبع روما ۱۸۷۸ء ص ۱، [2] معجم البلدان یاقوت ج ۵ ص ۳۰۳ طبع مصر [3] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۳۸ بریل، [4] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۳، [5] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳ طبع آخر،

ضرورتوں کے لئے وہ دوسری آبادی خالصہ ۳۲۵ھ / ۹۳۶ء میں تعمیر ہوئی، اس کی خصوصیت ابن حوقل کے بیان میں یہ ہے کہ یہاں فرمانروائے صقلیہ اور اس کے عمال رہتے ہیں، بازار اور ہوٹل وغیرہ قائم نہیں کئے گئے ہیں، البتہ حمام اور غسلخانے بنا دیئے گئے ہیں، ایک جامع مسجد بھی ہے، جو یہیں کے باشندوں کے لئے مخصوص ہے، قید خانہ، جہاز سازی کے کارخانے اور دیوان حکومت کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں[1]، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس حصہ کی تخطیط اس طور پر انجام پائی تھی، کہ عام آبادیوں سے مختلط نہ ہونے پائے،

بلرم کے شہری خصوصیات بلرم اپنے عہد اسلامی میں صقلیہ کا شیراز تھا، سر بفلک عمارتیں، دلفریب تفریح گاہیں، نزہت بخش فوارے، پتھروں کی سڑکیں، پُررونق بازار، عالی شان مہمان سرائیں، پُرتکلف ہوٹل، اپنے دور میں ایسے ہی جاذب نظر تھے، جس طرح مسٹر اسکاٹ کے بقول آج عروس البلاد (پیرس) میں تہذیب جدید کا آب ورنگ ایک نووارد کی نگاہیں خیرہ کردیتا ہے[2]، عرب مورخین میں ابن حوقل یہاں کے بازاروں کا حال تعجب سے بیان کرتا ہے، کہ بازار کی دکانیں ایک ہی وضع وقطع کی قطار در قطار بنی ہوئی ہیں، ہر چیز کی فروخت کے لئے الگ الگ حصے مقرر ہیں، صرف قصابوں کی دکانوں کی تعداد ۱۲۷ ہے، بلرم مسجدوں کی کثرت میں مشہور تھا، ابن حوقل کہتا ہے "میں نے ایک دن بغور دیکھا، تو صرف اس قدر مسافت میں جہاں ایک تیر پہنچ سکتا ہے دس مسجدیں موجود تھیں، اسی طرح ادریسی نے بلرم کے دو حصوں معسکر و بیضا کے درمیان تین میل کی آبادی میں دو سو مسجدیں بتائی ہیں، اور یاقوت خالصہ کی شہر پناہ کے اردگرد دو سو مسجدیں بتاتا ہے، بعض مورخین نے بلرم کی مسجدوں کی مجموعی تعداد پانچسو سے زیادہ بتائی ہے[3]، اسی طرح یہاں کثرت سے ہوٹل اور حمام یعنی غسلخانے قائم تھے[4]، اور ارباب تصوف کیلئے خانقاہیں اور رباط علٰحدہ

[1] کتاب الممالک والمسالک ابن حوقل ص ۸۲ طبع آخر، ابن اثیر ج ۸ ص ۲۵۳ طبع بریل لیڈن، نخبۃ الدہر وعجائب البر والبحر شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی طالب الدمشقی در اماری ص ۴۴، [2] معجم البلدان ج ۲ ص ۳۹۰ طبع مصر [3] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۷۶ تا ۷۹، [4] کتاب المسالک والممالک ۸۳، ۸۵، ۸۰ طبع مصر، معجم البلدان یاقوت، نزہۃ المشتاق ادریسی بحکم اجبیر دگب) ذکر صقلیہ و بلرم،

ابن جبیر نے بلرم کا دلکش منظر کھینچا ہے، جو اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے، کہ وہ ایک اندلسی سیاح تھا، جس کی نگاہوں میں قصر الحمرا، اور غرناطہ و قرطبہ کے مناظر موجود تھے، اس کے چند جملے یہ ہیں،

بلرم تمدن کا گہوارہ ہے، جس سے ہر قسم کا حسن نمایاں ہے، قدیم ہے، خوشنما ہے، نظر افروز ہے، اور گویا روے زمین پر ایک خوبصورت سا چمن زار ہے، اس کی گلیاں اور سڑکیں نہایت کشادہ اور وسیع ہیں، تمام عمارتیں ایک خاص قسم کے پتھر کی بنی ہوئی ہیں، اس کے وسط میں ایک نہر جاری ہے، اور اطراف و جوانب میں بھی چار نہریں ہیں، . . . . . اس شہر کو قرطبہ سے گونہ مشابہت حاصل ہے[1]،

زبان مسلمانوں کے داخلہ سے پیشتر یہاں کی دفتری زبان لاطینی اور بول چال کی یونانی تھی، مسلمانوں نے دفتری زبان عربی قرار دی، مگر ملک کی قدیم یونانی اور لاطینی زبانیں بھی زندہ رکھیں[2]،

ادیان مسلمانوں کے داخلہ کے وقت یہاں کے لوگ زیادہ تر کیتھولک، چند لامذہب اور کچھ یہودی تھے، ایک مختصر گروہ بت پرستوں کا تھا[3]، مسلمان اپنے ساتھ مذہب اسلام لائے، اسلامی تہذیب کا یہ اثر تھا، کہ لوگ نہ صرف عہد اسلامی میں بلکہ اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے رہے، جب راجر اول نے قانوناً اسلام میں داخلہ کا دروازہ بند کر دیا[4]، تو بھی لوگ مسلمانوں کے فیضِ صحبت سے اسلام لاتے، اور چھپ چھپ کر عبادت کرتے[5]، مسلمانوں نے اپنے عہد میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دی، اور ان کے معابد کے اوقاف برقرار رکھے[6]،

صقلیہ کے اسلامی مذاہب و فرق مذاہب فقہ میں سے ابتداءً یہاں مذہب حنفی کو فروغ حاصل ہوا، کہ قاضی اسد کے تلامذہ اور حلقہ بگوشوں میں زیادہ حنفی المذہب تھے، مقدسی (م ۳۷۵ھ) کا بیان ہے، "اکثر اہل

[1] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۲ ، [2] گب ، [3] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ ص ۳۲ ، [4] ہسٹوری آف دی نیشنس ج ۳۰ ص ۲۵۰ ، (سسلی از فریمان) و انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ (سسلی) طبع یازدہم ، [5] نہایۃ الارب نویری آماری ص ۴۴۴ ، [6] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۵ ، گب ، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲۵ طبع یازدہم ،

صقلیہ حنفیون"، "اکثر اہل صقلیہ حنفی ہیں[1]"، لیکن رفتہ رفتہ مختلف اثرات سے صقلیہ میں مذہب مالکی کو مقبولیت ہو گئی، چنانچہ صقلیہ کے اکثر اہلِ علم مالکی المذہب تھے، جن کے تراجم ترتیب المدارک، قاضی عیاض، دیباج المذہب، ابن فرحون اور معالم الایمان ابن ناجی وغیرہ میں مذکور ہیں،

علم کلام میں اسد اور ان کے متبعین سلف صالحین کے متبع تھے[2]، اور مالکیوں کے متعلق تو تاج سبکی کا کلیہ ہے، "ہر مالکی کا اشعری ہونا ضروری ہے[3]"،

صقلیہ میں دولت اغالبہ کے بعد اگرچہ دولت فاطمی اسماعیلی قائم ہوئی اور ابتداءً حکومت کی جانب سے مذہبی حیثیت سے چند ایسے تغیرات بھی کئے گئے، جن سے اس مذہب کی اشاعت کا امکان تھا، مگر جب بغاوت فرو کرنے کے بعد انھیں دوبارہ اقتدار ہوا، تو اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا، چنانچہ اس دور میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا ہے، جس میں شیعیت کو بجبر رائج کیا گیا ہو، لوگ اپنے قدیم مسلک اہل السنۃ والجماعت پر قائم رہے،

نظامِ حکومت

صقلیہ کی مرکزی حکومت صقلیہ کی حیثیت عہد اسلامی میں شمالی افریقہ کی ایک نوآبادی کی تھی، اس لئے اس کی مرکزی حکومت، افریقہ کی حکومت رہی، اغالبہ کے آخر دور میں حاجب صقلیہ یعنی وزیر صقلیہ کا عہدہ بھی نظر آتا ہے، جو صقلیہ کے والی اور فرمانروا کے درمیان کی کڑی ہوتا، اس کو ولاۃ کے عزل و نصب تک کا اختیار تھا، ابن عذاری نے حکومت افریقہ میں صقلیہ کے دو حاجب نصر بن صمصامہ اور حسن بن نافذ کے نام لکھے ہیں[4] اور ضمناً نہایۃ الارب میں بھی تذکرہ آیا ہے[5]، جب فاطمیین کا دار الحکومت مصر قرار پایا، تو صقلیہ کا رسمی تعلق

[1] احسن التقاسیم ص ۲۳۸ مطبع بریل ۱۹۰۶ء ، [2] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴ ، [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ، [4] ابن اثیر ج ۸ ص ۳ ، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۶ ، [5] البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۶۵ ، نہایۃ الارب باب افریقہ والمغرب حوادث ۳۰۷ھ در اماری ص ۴۵۰ ،

بھی مصر سے قائم ہوگیا، لیکن اس عہد تک صقلیہ میں کلبین کی تقریباً خودمختار موروثی حکومت قائم ہوچکی تھی اس لئے یہ رشتہ ایک برائے نام قائم تھا،

حکومت صقلیہ

مرکزی حکومتیں یہاں ولاۃ نامزد کرتی تھیں، جن کی حیثیت دورِ حاضر کی اصطلاح میں گورنر جنرل کی کہی جاسکتی ہے، اغالبہ کے دور میں صقلیہ کی ولایت پر بالعموم اغلبی شاہزادے مقرر ہوکر آتے تھے، جن میں کبھی حکومت افریقہ کے ولی عہد بھی ہوتے، اس لئے یہ ولاۃ قدرۃً زیادہ خودمختار تھے، انھیں ملکی نظم ونسق کے ماسوا رومی مقبوضات پر حملہ آور ہونے، اور بیرون جزیرہ کی متحارب حکومتوں سے صلح کے معاہدے کرنے کے اختیارات بھی حاصل تھے، یہی طرز حکومت عہد فاطمی میں بھی کلبین کے دورِ آغاز تک قائم رہا[1]، اور جب کلبین کا زمانہ آیا، تو یہ موروثی حکومت تقریباً خودمختار ہوگئی، صرف خراج کی ایک متعینہ رقم مرکزی حکومت کو بھیج دیجاتی اور کلبی فرمان رواؤں کو خلافت فاطمی سے ایسے خطابات وخلعت عطا ہوتے، جو اس عہد میں سلاطین کو بارگاہِ خلافت سے ملتے تھے، اور یہ رسمی رشتہ بھی اس قدر کمزور ہوچکا تھا، کہ اگر کسی جزئی معاملہ میں بھی حکومت مصر سے اختلاف ہوا، تو کلبی فرمانروا نے انقطاع کی تہدید کی، اور حکومتِ مصر خاموش ہوگئی[2]، چنانچہ عرب مورخین میں ابن حوقل، لسان الدین بن الخطیب اور ابن فضل اللہ العمری وغیرہ کلبی فرمان رواؤں کا تذکرہ "ملوک وسلاطین" ہی کے القاب میں کرتے ہیں تاہم انھوں نے اپنی رسمی خودمختاری کا کبھی اعلان نہیں کیا،

ولاۃ صقلیہ کا طرز بود وماند مشرقی طرز کا شاہانہ تھا، شاہی محلات میں خدم وحشم، غلام وخواجہ سرا رہتے، فرمانروا کے حضور میں مشرق کے شاہانہ آدابِ مجلس قائم تھے، شہر میں شاہ کی سواری تزک واحتشام سے نکلتی، جس میں چتر وجلوس کا اہتمام رہتا، چتر وجلوس کے تکلفات فاطمیین کے ذریعہ رائج ہوئے، ولاۃ

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۳۵۱، ۲۷۰، ص ۳۵۷ طبع بریل، [2] اعمال الاعلام در یادگاری مضامین اماری ج ۲ ص ۴۷۸،

کی ذاتی ملکیتوں کا اندازہ اس سے لگائیے، کہ ثقۃ الدولہ یوسف (۳۷۹ھ-۳۸۰ھ / ۹۸۹ء-۹۹۰ء) جو علالت کی وجہ سے اپنے لڑکے کے حق میں دست بردار ہوچکا تھا، صقلیہ سے ترک سکونت کرکے مصر روانہ ہونے لگا، تو ابن اثیر اور ابو الفدا لکھتے ہیں، کہ اس کے پاس ۱۳ ہزار باڑے ایسے تھے جنہیں صرف اونٹ اور گھوڑے باندھے جاتے تھے، خچروں کا باڑہ ان سے علحدہ تھا، اور ۶ لاکھ ستر ہزار دینار نقد اس کے ساتھ مصر منتقل ہوئے[1]،

صوبوں کی تقسیم اور ان کی حکومت

صقلیہ کی فتوحات کے ساتھ صوبوں میں اضافہ ہوتا گیا، آخر طور پر پانچ صوبے بلرم، جرجنت، مسینا، مازر، اور قصریانہ تھے[2]، ان کے ولاۃ، والی صقلیہ مقرر کرتا، جو ان کے معتمد ہوتے[3]، صوبہ جنوبی اٹلی کا انتظام جداگانہ تھا، اوّلاً ۲۳۲ھ میں وہاں ایک خودمختار والی خلافت عباسیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا[4]، پھر یہ مقبوضات سسلی کے ایک صوبہ کی حیثیت میں آئے، اس کے بعد پھر اس کے گورنر افریقہ سے آنے لگے، اور پھر تبدیلی ہوئی، اور سسلی ہی کی اسلامی حکومت یہاں کی نگراں ہوگئی[5]، سسلی کے اردگرد کے جزائر حکومت صقلیہ کے ماتحت تھے، لیکن مالٹا میں جداگانہ انتظام قائم ہوا، وہاں کی حکومت وہیں کے باشندوں کے سپرد کی گئی، اور ایک مختصر اسلامی دستہ شہر مالٹا میں مقیم رہا[6]،

[1] کتاب اعمال الاعلام فیمن بویع قبل الاسلام در یادگاری ج ۲، ص ۱۷، ۴۲، ۴۷، ذکر طرز بود وماند بہ عہد ابو الاغلب والی، و ۱۱ ص ۴۷، ۴۷ ذکر خدم وحشم بہ عہد جعفر بن محمد والی ونہایۃ الارب حوادث ۲۵۶ھ در بیلو تھیکا، ص ۴۳۳، ۴۴۵، ذکر خواجہ سرا بہ عہد محمد بن خفاجہ والی و ابو الفدا ج ۲ ص ۹۶ ذکر مشرقی طرز شہنشاہی بہ احمد کلبی و ابن اثیر ج ۸ ص ۳۵۶، ذکر آداب مجلس بہ عہد حسن کلبی وکتاب نبذۃ المحتاجہ فی اخبار الملوک صنہاجہ در اماری ص ۲۱۷، ذکر چتر وابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۱۱ و ابو الفدا ج ۲ ص ۲۰۰ ذکر دولت وثروت ثقۃ الدولہ، [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۰، نہایۃ الارب نویری در اماری ص ۴۴۵ ابو الفدا ج ۲ ص ۱۹۸، تمدن عرب لیبان ص ۱۸۱ تاریخ عرب سدیو ص ۲۴۴ ترجمہ اردو، [3] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۳۸، [4] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۷۰، ۲۳۱، [5] ابن اثیر ج ۷ ص ۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۳ و ۴۴۹، [6] البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۵۶، ابن اثیر ج ۷، ص ۱، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۹ آثار البلاد

حکومت صقلیہ کے مختلف شعبے

حکومت صقلیہ کی اسلامی حکومت چند شعبوں میں تقسیم تھی، دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء (دفتر وزارت) دیوان الخراج (صیغۂ مالیات) صیغۂ عدالت وقضا جس میں ایک اور شعبہ دیوان المظالم تھا، شرطہ (پولیس) دیوان الجیوش (صیغۂ فوج) اور دیوان الصناعہ (صیغۂ جہاز سازی) ان کے لئے علیحدہ عمارتیں خالصہ ہی میں بنی ہوئی تھیں[1] لیکن اغلبی عہد میں صرف چار بڑے عہدوں کا پتہ چلتا ہے، یعنی والی، سپہ سالار، قاضی اور صاحب الخمس،

دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء

وزراء صاحب دیوان کہلاتے، اور ان کا لقب کاتب ہوتا، بعضوں کا تذکرہ الوزیر کے لقب سے بھی ملا ہے، وزراء کا تقرر فرمانروایانِ صقلیہ کرتے، حکومت کے محکموں کی نگرانی ان کے سپرد تھی، قوانین کا انضباط واجراء کرتے جن میں عوام کی مرضی کا بھی لحاظ رکھا جاتا، سنہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں بعض قوانین کے نفاذ پر شورش ہوئی، جو اس طرح فرو ہوئی، کہ وعدہم ان لا یخرج عن رأیہم (اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کی مرضی سے باہر نہ جائے گا) مجمع نے نہ صرف اس قانون کے نافذ کرنے والے وزیر بلکہ خود اس وزیر کو مقرر کرنے والے صاحب حکومت کی معزولی کا مطالبہ کیا جو پورا کیا گیا[2]،

صقلیہ کے وزراء یا کتاب کا تذکرہ بحیثیت عہدہ دار شاعر کے ابن القطاع نے کیا تھا، جن میں سے بعض کے نام ابن سعید اور اصفہانی نے نقل کئے ہیں، بعض نام عام تاریخوں میں آگئے ہیں، اور چند نام متفرق طور پر یاقوت اور قفطی وغیرہ سے مل سکتے ہیں، اس طرح صقلیہ کے ۲۰ وزراء کے نام دستیاب ہوسکے ہیں[3]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) قزوینی، ص ۲۷۳، انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا طبع یازدہم ج ۲۰ ص ۱۱۵ ذکر پاٹا، [1] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۷، [2] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۰، [3] الالحان المسلیہ در یادگاری اماری ج ۱ ص ۲۲۵، کتاب المشترک وضعاً والمفترق صقعاً، یاقوت در اماری ص ۱۲۳، خریدۃ القصر در اماری از ص ۵۰۹ تا ۵۹۰ و ۶۱۰، وکتاب انباء الرواۃ قفطی در اماری ص ۶۰۴، اور تاج العروس ج ۲ ص ۳۷۳،

دیوان الخراج یا صیغۂ محاصل،

دیوان الخراج کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الخمس" کہتے تھے، جو حکومت کے معزز عہدوں میں تھا، سنہ ۲۹۶ھ میں حسن بن احمد والی صقلیہ کی قائم مقامی خلیل صاحب الخمس نے کی[1]، صاحب الخمس جزیرے کے مداخل ومخارج کا نگران تھا، جس کے ماتحت افسر ہر شہر میں بطور محصل متعین تھے[2]، محاصل کی مدیں فقہ اسلامی کے مطابق تھیں، صرف قانون عشر رائج نہ تھا، حسن بن محمد باغائی الکاتب نے سنہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں اسی کو رائج کرنا چاہا، اور شورش برپا ہوئی[3]، عیسائیوں پر جزیہ عائد تھا، جس کے محصل بعض یورپین بیان کے مطابق عیسائی عہدہ دار تھے[4]، عرب مورخین بھی ایک موقع پر ایک عیسائی سربراہکار کے جزیہ لانے کا تذکرہ کرتے ہیں[5]، جزیہ کی مقدار ونوعیت وہی تھی، جو اسلامی قانون میں مذکور ہے، یورپین مورخین کی رائے ہے کہ یہ رقم مجموعی طور پر بیان کی بہ نسبت حکومت بیزنطی کے عائد کردہ محاصل سے کم تھی، اور ان کی وصولی کے طریقوں میں بھی آسانیاں تھیں[6]،

صیغۂ عدالت وقضاء

یوں تو صقلیہ میں عہدۂ قضاء کی بنیاد رسماً ومجازاً اسی وقت پڑی، جب فرمانروائے افریقیہ نے قاضی اسد سے روانگی کے وقت کہا، "تم عہدۂ قضا سے معزول نہیں کئے گئے، تمہیں ولایت بھی سپرد ہوئی اور تمہارا لقب "قاضی امیر" ہوگا[7]، اس کے بعد عہد اغالبہ میں افریقیہ سے قضاۃ آتے رہے، دار القضا کی عمارت شاندار تھی، قاضی ابو عمرو محمد بن میمون (سنہ ۳۰۴ھ) جب اپنے عہدہ پر پہنچے،

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۹-۳۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۵، [2] تمدن عرب ص ۲۸۲، [3] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، [4] تمدن عرب لیبان ص ۲۸۲، [5] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۵۶ وغیرہ، [6] تمدن عرب لیبان ص ۲۸۲، اخبار الاندلس اسکاٹ ج ۲ ص ۳۴، [7] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۳ و ۱۸۶،

تو استقبال کے بعد دار القضاء میں ٹھہرائے گئے، مگر اپنی فروتنی اور سادہ مزاجی سے یہ کہہ کر اس میں فروکش نہ ہوئے کہ یہ اکابر و علماء کی قیامگاہ ہے، اور ایک دوسرے مکان میں اٹھ آئے[1]، قاضی دار الحکومت میں رہتا اسکے ماتحت صوبوں میں ایک قاضی اور ایک منشی مقرر تھا، عیسائیوں کے لئے جداگانہ عدالتیں قائم تھیں جنمیں اسلامی قانون کے بجائے عیسوی قانون رائج تھے[2]،

صقلیہ میں بعض سیاسی حالات کے باعث عصبیتیں پیدا ہو گئی تھیں، جن سے سازشوں اور باہمی مخالفتوں کی گرم بازاری رہتی، اس لئے جھوٹے مقدمے کثرت سے دائر ہوتے تھے، جن سے یہاں کے قضاۃ کو دشواریوں کا سامنا ہوتا، عثمان بن خزار ایک صالح بزرگ عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے، تو وہ یہاں کے ان حالات سے ایسے برگشتہ ہوئے، کہ صقلیہ کے تمام باشندوں کی شہادت کلیتہً مردود قرار دے دی اور مقدمات میں باہمی مصالحت کرانے لگے[3]، لیکن یہ عثمان بن خزار کا کمالِ تقوی تھا، عام قضاۃ ان مشکلات پر حاوی ہوتے، اور جانچ پڑتال کر مقدمات کے فیصلے سناتے،

یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر افریقہ کے ممتاز و تجربہ کار فقہا مامور کئے جاتے، جو بالعموم پہلے افریقہ کے صیغۂ عدالت و قضا میں کام کر چکے ہوتے، مثلاً قاضی ابو الربیع سلیمان بن سالم الکندی القطان المعروف بابن کحالہ المتوفی سنہ ۲۸۹ھ سنہ ۲۸۱ھ میں یہاں کے عہدۂ قضاء پر آئے، وہ ورود صقلیہ سے پیشتر اولاً ولایت باجہ کے قاضی تھے، پھر قیروان کے دیوان المظالم کے افسر مقرر ہوئے، جنہیں سو دینار تک کے مقدمات کی سماعت کا حق انہیں کو حاصل تھا[4]، اسی طرح مثلاً قاضی ابو القاسم محمد بن خالد القیسی المعروف بہ طراطری متوفی سنہ ۲۹۹ھ صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر آنے سے پیشتر قیروان کے محتسب تھے[5]،

---

[1] ریاض النفوس مالکی در آماری ص ۱۸۳، [2] تمدن عرب لیبان ص ۱۸۲، [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۶
[4] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ترتیب المدارک در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۴۴، ۲۴۹، [5] ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۹، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۷۰،

قضاۃ کا تقرر والی صقلیہ کی طرح براہ راست حکومت افریقہ کی جانب سے ہوتا تھا، اور حکومت افریقہ میں اس عہدہ کے لئے انتخاب کرنے کا حق وہاں کے قاضی القضاۃ کو حاصل تھا، وہ مختلف ولایتوں کی طرح صقلیہ کے لئے بھی قاضی مقرر کرتا[1]، صقلیہ میں یہ قضاۃ اگرچہ اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں میں مختار کل تھے، تاہم والی صقلیہ کے ماتحت ہوتے تھے، اور قضاۃ کے استعفے قبول کرنے کا اسے حق حاصل تھا، مثلاً قاضی ابو عمرو محمد بن میمون نے کبر سنی کے باعث جب خدمتِ قضارت سے علیحدگی چاہی، تو اپنا استعفا والی صقلیہ ہی کی خدمت میں پیش کیا[2]،

صقلیہ کے قضاۃ کا تذکرہ تاریخوں میں صقلیہ کے حوادث سنین کے ذیل میں بجز دو ایک ناموں کے موجود نہیں، البتہ طبقات میں ایسے فقہا کے نام اور حالات ملے جو صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے، ایسے گیارہ فقہا کے نام اب تک دستیاب ہوئے ہیں، لیکن ظاہر ہے، صقلیہ کے قضاۃ کی یہ مکمل فہرست نہیں، بعض قضاۃ کے سوانح میں اُن کے طریق قضاء وغیرہ کی تفصیل بھی ہے، ان قضاۃ کے تذکرے معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، ۱۳۶، ۲۴۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ۳۳۴، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۷۰، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۹، ۱۹۳، کتاب العبر فی خبر من عبر ذہبی ص ۶۶۰، طبقات ابی العرب در یادگاری ج ۲ ص ۱۹۹، ابن اثیر ج ۸ ص ۳۸، ۵۳، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۲۵، ۴۳۶، الالحان المسلیہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۶، خریدۃ القصر در اماری ص ۲۹۵ اور معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۳ میں موجود ہیں،

دیوان المظالم دیوان المظالم بھی صیغۂ عدالت و قضا کی گویا ایک شاخ تھی، جس میں عمال حکومت کے خلاف

---

[1] اس طریق کا پتہ معالم الایمان میں افریقہ کے قاضی القضاۃ اور ولایات افریقہ کے قضاۃ کے تراجم کے استقصار سے چلتا ہے، مثلاً اسی صقلیہ کے قاضی ابن کحالہ کے تذکرہ میں ملتا ہے، کہ انہیں باجہ کی قضارت پر ابن طالب قاضی القضاۃ افریقہ نے بھیجا اور دیوان المظالم اور صقلیہ کی قضارت عیسیٰ بن مسکین قاضی القضاۃ افریقہ نے ان کے سپرد کی، معالم ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، [2] معالم الایمان ج ۲ ص ۲۴۷،

استغاثے دائر ہوتے، اور ان کی بدعنوانیوں کا تدارک کیا جاتا، صقلیہ کے عہد اسلامی میں دیوان المظالم کا تذکرہ نویری نے کیا ہے، کہ نارمنوں نے اسی کے مطابق اپنے عہد میں بھی یہ عدالت قائم کی، نیز عیسائی مورخین بھی بالعموم اس کا تذکرہ کرتے ہیں[1]،

شرطہ (پولیس)

شرطہ (پولیس) کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الشرطہ" کہتے تھے، ابو الفضل احمد بن علی صاحب الشرطہ کا تذکرہ اصفہانی نے کیا ہے[2]، شرطہ کے فرائض تقریباً وہی تھے، جو دور حاضر میں پولیس کے ہیں، ابن المودب القیروانی الشاعر صقلیہ پہنچا، یہاں اس نے ایک جرم کا ارتکاب کیا، گرفتاری کا حکم ہوا وہ روپوش ہو چکا تھا، ایک دن شراب کے نشہ میں مست باہر نکل آیا، صاحب الشرطہ نے گرفتار کر لیا، اور فرمانروائے صقلیہ ثقۃ الدولہ کی خدمت میں پیش کیا، کہ اسی کی شان میں ہجو لکھ کر یہ مصیبت مول لی تھی، (ابن خلکان ج ۳ ص ۱۸۲، ترجمہ یحییٰ بن اکثم)

دار الحبس (قید خانہ)

دار الحبس (جیل خانہ) کا رواج اس عہد تک اسلامی ملکوں میں ہو چکا تھا، صقلیہ کا دار الحبس خالصہ (بلرم) میں قائم تھا جس کی مستقل عمارت کا تذکرہ ابن حوقل نے کیا ہے[3]،

دیوان الجیوش

اسلامی حکومتوں میں لفظ دیوان کا اطلاق ابتداءً فوجی دفترہی پر ہوا، اگرچہ بعد میں دوسرے معنوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے اس کو بھی دیوان الجیش یا دیوان الجیوش کہنے لگے، دولت کلبیہ کے استقلال سے پیشتر تک صقلیہ کی فوج کی فراہمی افریقیہ میں ہوتی تھی، اور حسب ضرورت کمک آتی رہتی،

---

[1] تمدن عرب لیبان، التمدن الاسلامی جرجی زیدان، "عربوں کا تمدن" ڈاکٹر جوزف ہیل، [2] خریدۃ القصر دراری ص ۵۹۵، [3] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳،

حکومت صقلیہ کی نگرانی میں رومی مقبوضات پر مجاہدانہ تاختیں ہوتیں، لوگ ذوق سے شریک ہوتے، خصوصاً اس لئے کہ پاپائے رومہ کی طرف سے صقلیہ کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان ہوتا[1]،

تاہم صقلیہ میں بھی فوج کا اہتمام رہتا تھا، جب ضرورت پڑتی افریقیہ کی کمک کے علاوہ یہاں کی فوج کیل کانٹے سے درست کیجاتی[2]، مثلاً احمد کے عہدِ حکومت میں ابن اثیر ایک موقع پر لکھتا ہے،

"یہ خبریں امیر احمد امیر صقلیہ تک پہنچیں، اس نے المعز کے پاس افریقیہ پیغام بھیجا، اور حقیقت حال سے آگاہ کیا، اور اس سے امداد اور کمک طلب کی، اور خود جنگی بیڑے کی اصلاح و درستی اور ان میں اضافہ کرنا شروع کیا، بری و بحری سپاہ جمع کی، اور ادھر المعز نے فوج کی فراہمی شروع کی[3]، . . . . "

لیکن دولت کلبیہ کے معناً استقلال کے بعد یہ ذمہ داری حکومت صقلیہ کے سر عائد ہوئی[4]، مثلاً ۳۶۵ھ (۹۷۵ء) میں ابو القاسم نے اوتھو دوم کے مذہبی حملہ کے جواب میں فوجکشی کی، تو ساری فوج صقلیہ میں اکٹھا کی گئی، جس میں جزیرہ کے علماء و صالحین نے بھی شرکت کی[5]،

صقلیہ کی فوج میں قبائلی تقسیم تھی، ۲۱۲ھ کے پہلے حملہ ہی میں دس ہزار سپاہ میں عرب و بربر دونوں تھے، نیز رومی لشکر بھی اگرچہ ہمرکاب تھا، مگر اسد نے شرکتِ جنگ کی ممانعت کر دی تھی[6]، مسلمانوں کی جند اور قبائلی تقسیمیں بھی تھیں، جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں،

اغالبہ کے عہد تک صقلی فوج کی شکل یہ تھی، کہ ایک مختصر لشکر تو فوج کی حیثیت سے رہتا، باقی فوج اپنی آبادیوں میں شہری زندگی بسر کرتی، اور حسب ضرورت زیر علم آجاتی، لیکن رفتہ رفتہ اس نظام میں فرق آیا، امراء، تجار، صناع، کاشتکار اور مزدوروں کا طبقہ فوج سے کٹ کر الگ ہو گیا، اور فوجی جماعت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲، ص ۳۰۳ طبع یازدہم، [2] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۱۴، [3] ایضاً

[4] ابن اثیر ج ۸ ص ۴۹، [5] ایضاً، [6] معالم الایمان ج ۲، ص ۲۲۶،

کو ترقی دی گئی، اگرچہ اس دور میں بھی صقلیہ کے تمام مسلمان فوج میں شریک ہوجاتے تھے، اس کی مثالیں یہاں کی سیاسی سرگذشت میں تفصیل سے ملیں گی،

سپہ سالار کا مستقل عہدہ فتح بلرم کے بعد سنہ ۲۱۶ سے قائم ہوا، یہ دو قسم کے لوگ ہوتے، یا تو وہ والی صقلیہ کے کوئی قریبی رشتہ دار، بھائی یا لڑکے ہوتے، جنہیں سے اکثر بعد میں ولایت صقلیہ پر بھی مامور ہوتے دوسرے وہ لوگ تھے جو افریقہ سے اس منصب پر بھیجے جاتے تھے، لڑائیوں میں بالعموم ولاۃ صقلیہ خود شریک ہوتے، صرف ایک والی ابوالاغلب کی مثال اس سے مستثنیٰ ہے، وہ ۱۶ سال (سنہ ۲۲۱ ۸۳۵ع سے سنہ ۲۳۶ ۸۵۰ع تک) والی رہا، کبھی جنگ میں شریک نہیں ہوا[1]،

چھاؤنی — صقلیہ میں پہلی اسلامی چھاؤنی مازر میں سنہ ۲۱۲ میں قائم ہوئی[2]، اس کے بعد بلرم اور پھر خالصہ میں مستقل معسکر قائم ہوا[3]، اندرون ملک میں مستحکم قلعوں میں چھاؤنیاں قائم تھیں، ابن القطاع نے اہم قلعوں کی تعداد ۱۳ بتائی ہے[4]، ابن فضل اللہ دمشقی نے ۲۶ اہم قلعوں کو نام بنام شمار کیا ہے[5]، اور ادریسی نے ۵۰ قلعوں کا تذکرہ اہمیت سے کیا ہے[6]،

فوج کا گذارہ — فوج کی تنخواہیں بصورت زر دینے کے بجائے بصورت جاگیر دی جاتی تھیں، شرعی تقسیم کے رو سے مال غنیمت کا وافر حصہ ملتا تھا[7]، جو مقامات بزور شمشیر فتح ہوتے، اور وہاں کے باشندے ادائے جزیہ سے انکار کر چکے ہوتے، فتح کے بعد وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جاتے، فوج میں داخلہ کے وقت سپاہیوں کو بیش قرار رقمیں افریقہ میں دی جاتی تھیں، ابراہیم نے سنہ ۲۸۹ میں افریقہ سے روانگی کے وقت ۲۰،۲۰ دینار

لے ابن اثیر ج ۷ ص ۴، الحلۃ السیراء ابن الابار درامار ی ص ۲۳۱، سے نہایۃ الارب درامار ی ص ۴۲۸،
سے مسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، معجم البلدان ج ۲ ص ۲۰۰، سے معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵،
سے مسالک الابصار درامار ی ص ۱۵۷، لے نزہتہ المشتاق، کے ابن اثیر ج ۷ ص ۴۱، ۴۲، اعمال الاعلام درامار ی ج ۲ ص ۴۷، نہایۃ الارب درامار ی ص ۴۳۳ وغیرہ،

سواروں کو ۱۰۰،۱۰۰ دینار پیادوں میں تقسیم کئے[1]، اسی طرح ابن اثیر المعز کے متعلق صقلیہ کے لئے ایک فوج جمع کرنے کے تذکرہ میں لکھتا ہے، جمع الرجال وحشد و فرق فیھم الاموال الجلیلہ (لڑنے والوں کو جمع کیا اور جلیل القدر رقمیں ان میں تقسیم کیں[2])

دیوان دار الصناعہ

صقلیہ کے جہازوں، کشتیوں، اور اسلحہ کی تیاری افریقہ میں ہوتی تھی، افریقہ سے جو سپاہ آتی، وہ اسلحہ جنگ ساتھ لاتی[3]، ٹیونس میں دار الصناعہ (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم تھا، صقلیہ کی ضرورتیں اسی سے پوری ہوتیں[4]، جب دولت کلبیہ کے عہد میں صیغۂ فوج کی تمام ذمہ داری حکومت صقلیہ ہی پر عائد ہوگئی، تو یہاں بھی دار الصناعہ قائم ہوا، ہوسکتا ہے کہ وہ عہد اغالبہ ہی سے ہو، لیکن کوئی تصریحی ذکر نہیں ملا، صرف فوجوں کی روانگی کے ذیل میں کشتیوں کے جمع کرنے کا ذکر آتا ہے، کلبیین کے عہد میں اسکا اہتمام ایسے اعلیٰ پیمانہ پر ہوا، کہ حکومت کا ایک مستقل شعبہ "دیوان دار الصناعہ" کہلایا، جو معناً دیوان الجیوش ہی کے ماتحت تھا، اس کے افسر اعلیٰ کو صاحب دیوان الصناعہ کہا جاتا، ابوالحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعہ کا ذکر آتا ہے[5]،

دار الصناعہ — صقلیہ کا مرکزی دار الصناعہ خالصہ (بلرم) میں قائم تھا[6]، جس کے کاریگر اور مزدور زیادہ تر موالی ہوتے تھے[7]، جہاز سازی کا خام مسالہ صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا، جہاز کے لئے لکڑیاں شنت مارکو کے جنگل سے لائی جاتی تھیں[8]، لوہا بلرم کے قریب کے ایک قصبہ بلہرا کے معدن سے آتا تھا[9]، جہاز کے رسّے ایک قسم کی گھاس بربیرے تیار کئے جاتے تھے،

دوسرا دار الصناعہ مینا میں قائم تھا جس میں اسی کی کان سے لوہا آتا تھا، تیسرا دار الصناعہ اٹلی کے شہر باری

لے ابن اثیر ج ۷ ص ۱۹۰، سے ج ۸ ص ۱۲۷، سے ابن اثیر ج ۸ ص ۱۰، سے ریاض النفوس درامار ی ص ۲۰۰، الکتاب البلدان [illegible]
ص ۳۲، ابن خلدون ج ۱ باب قیادۃ الاساطیل، ۵ الالحان المسلیہ درباد گاری ج ۱ ص ۴۹۶، لے ابن حوقل ص
ے ابن اثیر ج ۸ ص ۱۴۹، ۸ نزہتہ المشتاق ذکر شنت مارکو، ۹ نزہتہ المشتاق ذکر بلرم،

میں تھا، جو اٹلی کی اسلامی حکومت کی ضروریات میں مدد دیتا،[1]

جنگی بیڑے ایک بیڑے میں بالعموم تین قسم کی کشتیاں ہوتی تھیں، صقلیہ کے جنگی بیڑے ایسے جہازوں اور کشتیوں پر مشتمل ہوتے، جو لکڑیوں سے بنتیں، اور لکڑیاں لوہے کی میخوں سے باہم پیوستہ ہوتیں، اور ڈانڈ اور بادبان کے ذریعہ چلائی جاتیں، اس دور میں بحر روم میں ایسی ہی کشتیاں چلتی تھیں،[2] وہ تین قسم کی کشتیاں شنی، مراکب اور طریدہ ہیں،

شنی جس کی جمع شوانی و شنیات آتی ہے، اور جسے غراب بھی کہتے ہیں، ایک سو چالیس ڈانڈوں سے چلائی جاتی تھی، اور اس پر سوار اور ملاح سوار ہوتے تھے، مراکب سامان رسد اور اسلحہ کیلئے بیڑے کے ساتھ ہوتیں، طریدہ ایسی چھوٹی کشتیوں کو کہتے تھے، جن پر گھوڑے وغیرہ لیجائے جاتے، دو قسم کی اور کشتیاں حربیا اور قطعہ رائج تھیں، صقلیہ کے معمولی بیڑوں میں بالعموم شوانی و مراکب ہوتیں، اور انہیں پر سپاہ سوار ہوتی،[3] یہ بیڑے امیر البحر کے ماتحت ہوتے، جسے امیر البحر یا امیر الاساطیل کہتے تھے،

سپاہیوں کے اوزار میں قدیم اسلحہ تلوار، نیزے، تیر کمان، ڈھال، خود اور زرہ کا استعمال تھا، محاصرہ شکن آلات میں منجنیق جس سے پتھر برساتے، اور دبابہ کا استعمال تھا، جس سے نقب لگاتے، اور نقب زن اسی میں بیٹھے اندر پہنچ جاتے، دبابہ کے متعلق دور حاضر کے ایک اہل علم کا خیال ہے، کہ وہ موجودہ عسکری آرمڈ ٹینک سے ظاہری شکل و صورت اور حاجت روائی میں مشابہ تھا،[4] صقلیہ میں ان آلات کا تصریحی ذکر قصریانہ اور سرقوسہ کے محاصروں میں آتا ہے،

[1] مسالک الابصار در اماری ص ۹۵، نزہۃ المشتاق ذکر مسینا و باری و رحلہ ابن جبیر، [2] سفرنامہ سلیمان تاجر ص ۸۸، [3] حوادث کیلئے ابن اثیر کے ان حوادث میں دیکھا جائے جنمیں صقلیہ کے بحری حملوں کا ذکر آیا ہے، [illegible] کے ایک نارمن بیڑے کے ضمن میں ان کا مجموعی تذکرہ بھی ہے، اور کشتیوں کی نوعیت کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون و رتمدن عرب ضمیمہ ص ۶، [4] خطط الشام کرد علی،

آتشین مادے آتشین مادوں میں نفت اور نار یونانیہ کا استعمال تھا، نفت ایک قسم کا آتشین سیال مادہ تھا جسکو شیشہ کی بوتلوں میں بند کرتے، اور ایک گرز اس میں پیوست کرتے، اور سوار سپاہ ان گرزوں کو گھما گھما کر دشمنوں پر اچھالتی،[1] نفت صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا تھا، اس کے تین بڑے کنوئیں کوہ اٹنا کے دامن میں تھے، مسلمانوں نے اس کے نکالنے کا اہتمام کیا تھا، اسے ان کنوؤں میں سے کاچھ کاچھ کر نکالنا پڑتا جس کے لئے ان میں اترنے کی ضرورت تھی، لیکن کنوؤں کی آتشین لہروں سے سانس لینا محال تھا، ایک خاص قسم کے لبادے تیار کئے گئے تھے ان کو پہنکر ان میں اترتے، برتن پہلے سے اتارے جا چکے ہوتے، انہیں میں سیال مادے کو جمع کر کر کے اوپر بھیجے جاتے، اس سیال مادہ پر ایک قسم کی جھاگ اٹھتی تھی، اسی کو چھانٹ چھانٹ کر بوتلوں میں بند کرتے،[2] اور نار یونانیہ (آتش یونانی) کے استعمال کا ذکر بالعموم بحری لڑائیوں میں ملتا ہے، یہ پانی میں بجھتی نہ تھی، صقلیہ میں اس کے سب سے پہلی مرتبہ استعمال کا ذکر ۲۲۱ھ کی بحری لڑائی میں ملتا ہے،[3] موسیو لیبان کی تحقیق میں یہ گندھک گوند اور چربی وغیرہ سے بنتی تھی، اور ایک دوسرے محقق کا خیال ہے کہ نفت اور آتش یونانی دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، مگر ظاہر نظر میں اس کی کوئی وقیع دلیل نہیں،[4]

خفیہ خبررسانی صقلیہ کی اسلامی فوج میں خفیہ خبررسانی کے وسائل موجود تھے، اسلامی حکومت کے جاسوس دشمنوں کے ملکوں سے خبریں لاتے، مثلاً ۳۵۴ھ میں والی صقلیہ خفاجہ کو ایک بزنطی بیڑے کی قسطنطنیہ سے روانگی سے پیشتر اس کی خبر جاسوسوں سے ملی، اسی طرح ۲۸۹ھ/۹۰۱ء میں ابراہیم کے فتح طبرمین کی خبر سے جب قسطنطنیہ میں اضطراب ہوا، اور وہاں صقلیہ پر حملہ کی تیاریاں ہوئیں، تو ابراہیم کو خبر ملی، اور جواباً قسطنطنیہ پر اپنی حملہ آوری کی افواہ مشہور کرائی، اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں لنتینی وغیرہ کی فتح میں جاسوسوں سے مدد ملی، اور نامہ بر

[1] الفتح القسی ص ۳۸، ابن خلدون ج ۴، ص ۱۸۸، [2] آثار البلاد و اخبار العباد قزوینی ص ۱۴۴، [3] ابن اثیر ج ۶، ص ۲۳۹، [4] تمدن عرب لیبان ص ۳۹۴ و مقالہ جارج یعقوب "مشرق کا اثر مغرب پر" ترجمہ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۲۶ء

کبوتروں سے خفیہ پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاتا، جزیرہ قوصرہ کے مسلمانوں نے نارمنوں کے عہدیہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے وہاں پہنچائی، اور وقت پر تدارک کیا گیا[1]،

اسیران جنگ صقلیہ کے عہد اسلامی کے دور میں بین الاقوامی دستور جنگ کے مطابق لڑائیوں کے ایسے قیدی جنھیں متحارب حکومت اپنے کسی معاہدہ سے آزاد نہیں کراتی، وہ فتحیاب فوج کے غلام بنائے جاتے، صقلیہ کی اسلامی حکومت کے قبضہ میں بھی ایسے غلام آئے تھے، لیکن وہی باشندگان صقلیہ جو کبھی رومی حکومت کے غلام بنکر (یعنی تحقیر) میں درندوں کے سامنے شکار بنا کر چھوڑے جاتے تھے[2]، جب اپنے جدید فاتحین مسلمانوں کے پاس پہنچے، تو ان کے دوسرے مناظر دکھائی دیئے، اور ان میں سے جس میں جیسی استعداد تھی، ویسے ہی مراتب ومناصب اس نے حاصل کئے،

جوہر صقلی فاتح مصر کا نام اسلامی تاریخ میں روشناس ہے، وہ صقلیہ میں ضارب صقلبی کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اور دست بدست فروخت ہوتا، المنصور کے دربار میں پہنچا، اور کچھ ہی دنوں بعد القائد ابوالحسن جوہر الصقلی کہلایا[3]، وزارت وسپہ سالاری کے عہدہ پر آیا، اور فتح مصر کے لئے اس شان سے نکلا، کہ خود گھوڑے پر سوار ہے اور ولیعہد اور ارکانِ دولت اس کی مشایعت میں پیادہ پا ہیں، فتح مصر کے بعد شہر قاہرہ کی تخطیط اسی صقلی نے کی، جامع ازہر کی بنیاد اسی صقلی نے ڈالی، اور پھر مصر اسی کی تحریک سے فاطمیوں کا پایہ تخت بنا[4]،

اسی طرح اس دور میں بکثرت صقلی غلام ممتاز عہدوں پر مامور ہوئے، مثلاً ابن یانس صقلی العزیز (۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ / ۹۷۵ء تا ۹۹۶ء) کے دربار میں تھا، برقہ وطرابلس الغرب کا والی بنا[5]، (۳) بشری الصقلی القائم (۳۲۲ھ تا ۳۳۴ھ / ۹۳۳ء تا ۹۴۵ء) کا خادم اور اس کے عہد میں سپہ سالار تھا[6]، (۴) زیدان الصقلی ۲۹۲ھ میں طرابلس الغرب کی ولایت

[1] ابن اثیر ونہایۃ الارب، [2] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۱۲ سسلی از فریمان، [3] الحلۃ السیراء در اماری ص ۱۹۶، [4] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۷، ۴۸ و ۵۰ تا ۵۵، خطط مقریزی ج ۲ ص ۲۰۵، ۱۷۹ ج ۴ ص ۹۴ وغیرہ [5] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۳۷۵، مرآۃ الزمان ابن جوزی در اماری ص ۲۲۶ [6] ایضاً،

کی ولایت پر مامور ہوا[1]، (۵) قیصر الصقلی المعز (۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ / ۹۵۲ء تا ۹۷۵ء) کے عہد میں صوبہ باغایہ کی ولایت پر تھا[2]، (۶) مظفر الصقلی بھی اسی کے عہد میں جوہر کا ماتحت افسر پھر الحاکم (۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ / ۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء) کے عہد میں ارکان حکومت میں تھا[3]، (۷) قائد طارق الصقلی ۴۴۴ھ میں دمشق کا والی تھا[4]، (۸) نصیر الصقلی المعز (۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ / ۹۵۲ء تا ۹۷۵ء) کے عہد میں ارکان دولت میں تھا، پھر باغایہ کا والی مقرر ہوا[5]، اور (۹) باسیل الصقلی عبدالملک بن محمد بن ابی عامر (اندلس) کے عہد (۲۹۳ھ) میں وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھا[6]،

(باقی)

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۶، [2] ایضاً [3] کتاب المونس ص ۶۱ و ابن خلدون ج ۴ ص ۶۱، [4] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۳۷۵ [5] کتاب المونس ص ۶۱، [6] البیان المغرب ج ۲ ص ۲۵، ۲۶ طبع پیرس ۱۹۳۰ء،

تاریخ صقلیہ

(جلد اول)

مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر وبرکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش وتحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جنمیں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمیں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ وجزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۶ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت:- للعہ ر

جلد دوم زیر طبع ہے، (از مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی)

"مینجر"

امام سفیان ثوری کے سوانح حیات

اور

ان کی تصنیفات

(۲)

(از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور)

عام حالات | ابتدا از بنی عباس فاطمیین کی حمایت میں حکومت امویہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب محمد حنفیہ کے صاحبزادہ ابوہاشم عبد اللہ نے اپنی وفات کے قبل سفاح کے والد محمد بن علی کو اس تحریک کا علمبردار بنا دیا، تو عباسی مساعی کا رنگ بدل گیا، محمد نے بظاہر حقوق بنی فاطمہ کیلئے پروپگنڈا کیا، لیکن در پردہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے رہے، اور جب ان کے بعد اموی خلافت کا شیرازہ منتشر ہوا تو خود ابو العباس سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا،

کوفہ امیر المومنین علیؓ کے ہوا خواہوں کا مرکز تھا، اسلئے وہاں کے علماء اور سیاسی مدبرین کو یہ امر ناگوار ہوا، اور یہ لوگ حکومت پر نکتہ چینیاں اور فاطمی مدعیان خلافت کی عملی امداد کرنے لگے، اس زمانہ میں علماء و محدثین کا حلقۂ اثر تمام عالم اسلامی کو محیط ہوتا تھا، اسلئے مدعیان خلافت سے نبٹ کر حکومت عباسیہ نے حامیان بنی فاطمہ کی طرف توجہ مبذول کی، اور بلطائف الحیل تمام با اثر اصحاب کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا، ان میں بعض اصحاب نے وظائف قبول کر لئے، بعض اراکین حکومت میں شامل ہو گئے، بعض نے روپوشی اختیار کر لی، اور کچھ قتل کر دیے گئے،

سفیان اور منصور | سفیان بھی حکومت کی جابرانہ حکمت عملی پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے، چنانچہ ۱۴۵ھ؁ یا ۱۴۶ھ؁

میں منصور نے حج کیا[۱]، تو اتفاق سے سفیان بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے سلیمان خواص سے کہا چلو منصور کو سمجھائیں، اگر وہ مان گیا، تو مسلمانوں کو فائدہ پہنچیگا، اور ہمیں اجر ملے گا، سلیمان قدرے جھجکے، لیکن آخر راضی ہو گئے، اسوقت منصور منیٰ میں موجود تھا، پہلے سلیمان اس کے پاس گئے، اور وعظ و نصیحت کر کے چلے آے، ان کے بعد سفیان اندر داخل ہوئے، منصور نے کہا آئیے یہاں میرے پاس آجائیے، سفیان نے کہا، میں اوس شے پر جو نہ میری ملکیت ہے، نہ آپ کی، کس طرح قدم رکھ سکتا ہوں، منصور نے غلام کو حکم دیا کہ قالین اور فرش تہ کر کے الگ رکھدے، سفیان آگے بڑھے، اور منصور کے روبرو زمین پر بیٹھکر آیت منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری، (اسی خاک سے ہمنے تمھیں بنایا، اسی میں لیجائینگے، اور پھر اسی میں سے دوبارہ تمھیں نکالیں گے،) پڑھی، منصور کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، سفیان نے بلا اجازت گفتگو شروع کر دی، اثناء وعظ و پند میں لہجہ قدرے درشت ہو چلا تو حاجب دربار نے کہا کہ او شخص! تیری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی، سفیان نے کہا، تو پھر دیر کیا ہے، ابھی سہی،

منصور نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، سفیان نے اس کا جواب دیکر کہا، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر ۱۶ دینار خرچ ہوئے تھے، فرمایا تھا کہ

ما ارانا الا وقد اجحفنا بیت المال　　یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نے سارا بیت المال لیلیا،

آپ نے خدا اور امت محمدیہ کا بیشمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس بارہ میں کیا کہیں گے بالخصوص جب کہ آپ کو وہ حدیث بھی معلوم ہے، جو منصور بن عمار نے آپ کی موجودگی میں بیان کی تھی اور سب کے پہلے آپ ہی نے اوس کو نوٹ کیا تھا، کہ ابراہیم نے اسود سے، اسود نے علقمہ سے، اور علقمہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بہت سے اللہ اور اوس کے رسول کے مال کو اپنی خواہش نفس کے مطابق خرچ کرنے والے کل قیامت میں آگ کے مستحق ہوں گے، ابو عبد اللہ کاتب نے کہا کہ

[۱] الاخبار الطوال ص ۲۸۱ میں منصور کے صرف دو حج ایک ۱۴۰ھ؁ میں اور دوسرا ۱۴۴ھ؁ میں ثبت کئے گئے ہیں،

امیر المومنین اب اس شخص کو قتل کردینے کا حکم دیدیجئے، کیونکہ اس سے زیادہ مستحق قتل کوئی نہ ہوگا، منصور نے کہا چپ "خدا کی قسم مالک بن انس اور اس شخص کے سوا آج روے زمین پر کوئی نہیں جس سے میں شرم کرتا ہوں[۱]،

کوفہ سے روپوشی: اس ملاقات کے بعد سفیان نے منصور کے خلاف اپنی آواز زیادہ بلند کرنی شروع کردی، منصور نے انھیں سلسلۂ حکومت میں منسلک کرنا چاہا، مگر اونھوں نے انکار کردیا، منصور نے حکم دیا کہ سفیان کو گرفتار کرکے دربار میں حاضر کیا جائے، جب انھیں اس حکم کی اطلاع ہوئی، تو وہ کوفہ سے روپوش ہوگئے[۲]،

سمعانی کے بیان کے مطابق یہ نصف ذی قعدہ ۱۴۴ھ کا واقعہ ہے، عسقلانی ثوری کے شاگرد ابونعیم کے حوالے سے لکھتے ہیں، کہ ثوری نے ۱۵۰ھ میں کوفہ چھوڑا، اور پھر تاحیات وہاں واپس نہ جاسکے[۳] لیکن انھیں ابونعیم سے نووی ۱۵۵ھ روایت کرتے ہیں[۴]،

بہرحال جس وقت سفیان نے کوفہ کو خیرباد کہا، معدان اون کے ہمراہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ سفیان کو اس امر کا افسوس تھا، کہ اب کوفہ میں کوئی معتمد و معتبر ہستی نظر نہیں آتی[۵]،

ورود یمن: حدودِ عراق سے نکل کر سفیان نے یمن میں سکونت اختیار کی، لیکن یہاں بھی چین نصیب نہیں ہوا، ہر وقت حکومت بغداد کے جبر و استبداد کا خوف دامنگیر رہتا تھا، اس لئے یہاں سے

[۱] یہ تمام تفصیل کتاب الامامة والسیاسة ص ۱۵۹ ج ۲ سے ماخوذ ہے، لیکن ذہبی نے تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۰ میں الفریابی کی زبانی خود ثوری سے نقل کیا ہے، کہ حضرت عمرؓ کے مصارف حج کا واقعہ انھوں نے مہدی سے بیان کیا تھا، اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ مہدی نے اس پر کہا تھا کہ پھر کیا میں تمھاری طرح ہوجاؤں، تو سفیان نے جواب دیا تھا کہ اگر تم مجھ جیسے نہ بنو تو پھر تو اپنی حالت سے فروتر ہوگئے، [۲] یہ سمعانی کا بیان ہے، لیکن کفوی نے لکھا ہے کہ ثوری گرفتار ہوگئے تھے، راہ میں سپاہیوں کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گئے، [۳] تہذیب عسقلانی جلد ۴ ص ۱۱۳، [۴] تہذیب الاسماء ص ۲۲۶، [۵] الذیل للطبری ص ۱۱۵

سفیان مکہ چلے گئے[۱]،

ورود مکہ: سفیان کا خیال تھا کہ مکہ میں امن نصیب ہوگا، لیکن ان کا یہ خیال بھی خام نکلا، یہاں انھیں دوسرے مقامات سے زیادہ تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، بسا اوقات کئی کئی فاقے بھی ہوگئے، ابوشہاب الحناط، سفیان کے دوست بیان کرتے ہیں، کہ جس زمانہ میں سفیان مکہ میں روپوش تھے، انکی بہن نے میرے ہاتھ کچھ خشک میوہ بھیجا، مکہ پہنچکر پتہ چلا کہ وہ کعبہ کی پشت پر باب الحناطین کے قریب بیٹھا کرتے ہیں، میں وہاں پہنچا تو سفیان چت لیٹے ہوئے تھے، میں نے پاس جاکر سلام کیا، مگر انھوں نے نہ تو سلام ہی کا جواب دیا، اور نہ یہ دریافت کیا کہ تم کون ہو، اور کب آئے ہو، میرے ساتھ اونھوں نے پہلی بار یہ حرکت کی تھی، اسلئے میں نے از خود کہا، لیجئے، آپ کی بہن نے میوہ بھیجا ہے، میوہ کا نام سنتے ہی سفیان بول اُٹھے، لاؤ کہاں ہے، اور یہ کہکر اٹھ بیٹھے، میں نے کہا ابو عبد اللہ میں تمھارا دوست ہوں، مگر جب میں نے آکر سلام کیا، تو تم نے جواب تک نہیں دیا، اور جب میں نے یہ کہا کہ میوہ لایا ہوں، تو اٹھکر باتیں شروع کردیں، حالانکہ میرے مقابلہ میں میوہ کی کوئی حیثیت نہیں، اس پر سفیان نے کہا ابوشہاب! مجھے ملامت نہ کرو، آج تین دن سے میرے منہ میں کھیل تک اڑکر نہیں گئی ہے، یہ بات سُن کر میں نے انھیں معذور تسلیم کرلیا[۲]،

گرفتاری: آخرکار منصور کو پتہ چل گیا کہ سفیان مکہ میں مقیم ہیں، اوس نے ۱۵۸ھ میں عامل مکہ محمد بن ابراہیم کو لکھا، کہ سفیان اور چند دیگر اصحاب کو (جن کے نام خط میں تحریر تھے) گرفتار کرکے دربار خلافت میں بھیجدیا جائے، محمد بن ابراہیم نے سفیان کو بلاکر دریافت کیا وہ بغداد جانا چاہتے ہیں، یا نہیں، سفیان نے انکار کیا، تو اوس نے مشورہ دیا کہ پھر روپوشی مناسب ہے، سفیان روپوش ہوگئے، بظاہر شہر میں ان کی روپوشی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا، اور گرفتار کرنے والے کو معقول انعام کا وعدہ کیا گیا، لیکن درپردہ آزادی میسر تھی، اس لئے

[۱] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا، ذکر سفیان ثوری [۲] یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ سے ماخوذ ہے،

سفیان مکہ ہی میں مقیم رہے، اور معتبر اصحاب سے ملتے جلتے رہے،

یہ ابن سعد کا بیان ہے، لیکن طبری (جلد ۱۰ ص ۴۰۵) کہتا ہے، کہ عامل مکہ نے سفیان کو گرفتار کر لیا تھا، بعد ازاں بغیر اذن منصور رہا کر دیا، چنانچہ اس وجہ سے منصور محمد بن ابراہیم سے ناراض بھی ہو گیا،

سفیان کی بد دعا، اسی سال منصور نے سفر حج کا ارادہ کیا، اور یہ تہیہ کر لیا کہ ثوری کو قتل کر کے چھوڑے گا، چنانچہ اون کی گرفتاری میں تاکید کی گئی، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے چند خشاب بنا کر روانہ کر دیئے گئے، اونھوں نے مکہ پہنچکر سولی نصب کر دی، اور وقت کے منتظر رہے، جسوقت یہ خبر مکہ پہنچی، سفیان حرم میں فضیل بن عیاض کی گود میں سر اور ابن عیینہ کی گود میں پیر رکھے سو رہے تھے، یہ دونوں اصحاب اس خبر سے بے حد متوحش ہوئے، اور از راہ شفقت انھیں جگا کر کہا سفیان، برائے خدا دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دو، سفیان اٹھے ملتزم کے پاس جا کر بیت اللہ کا پردہ پکڑا، اور دعا کی، رب کعبہ! منصور کو کعبہ میں آنا نصیب نہ ہو[1]

منصور کی موت، سفیان کی دعا قبول ہوئی، منصور راستہ میں بیمار ہوا، اور مکہ میں داخل ہونے سے قبل بیر میمون میں ذی الحجہ ۱۵۸ھ (اکتوبر ۷۷۵ء) میں مرگیا، سفیان کو یہ خبر پہنچی تو باطمینان تمام اونٹے اور منصور کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے[2]

سفیان اور مہدی، منصور کے انتقال کے بعد سفیان مہدی کے دربار میں تشریف فرما ہوئے قعقاع بن حکیم اسوقت حاضر تھا، اس کا بیان ہے کہ انھوں نے اندر داخل ہو کر خلیفہ کو عام مسلمانوں کی طرح سلام کیا، آداب شاہانہ بجا نہ لائے، ربیع حاجب دربار مہدی کے پس پشت تلوار کے سہارے کھڑا اس گستاخی

[1] کواکب دریہ جلد ۱ ص ۱۶۹ میں سفیان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں، اگر منصور یہاں آگیا تو میرا اس عمارت سے کوئی واسطہ نہ رہیگا، لیکن میں نے سوئے ادب کے خیال سے ان الفاظ کو ترک کر دیا ہے، [2] تہذیب الاسماء ص ۲۰۶ کفوی ورق ۶۶ ب کواکب جلد ۱ ص ۲۰۰

پر حکم قتل کا منتظر تھا، مگر مہدی نے کشادہ رو ہو کر کہا،

مہدی:- سفیان تم ہم سے کیوں بھاگے پھرتے ہو، کیا تم یہ جانتے ہو کہ ہم تمھارے ساتھ کوئی برائی کرنی چاہیں تو نہیں کر سکتے، خوف کھاؤ، کہیں ایسا نہ ہو، کہ ہم اپنی خواہش نفس سے تمھارے متعلق کوئی حکم نافذ کر دیں،

سفیان:- آپ میرے خلاف حکم دیں گے تو وہ بادشاہ قادر جسکو حق و باطل میں خوب امتیاز ہو آپکے خلاف کوئی حکم صادر کر دیگا،

ربیع کو اس جواب پر طیش آگیا، اور اس نے مہدی سے عرض کیا، امیر المومنین کیا یہ جاہل حضور کیساتھ اس طرح پیش آنے کا مجاز ہو، اجازت دیجئے کہ ابھی اس کا سر قلم کر دوں،

مہدی نے کہا، کمبخت چپ ہو جا، ان جیسے اشخاص کا مقصد یہی ہے، کہ ہم انھیں قتل کر کے شقی بنیں، میں انھیں کوفہ کی عدالت عالیہ کا جج مقرر کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ ان کے فیصلہ کی اپیل نہ ہوگی،

مہدی کے حسب حکم سفیان کو پروانہ عطا کر دیا گیا، مگر یہ اس پروانہ کو دجلہ میں پھینک کر بغداد سے چلدیئے، مہدی کی یہ تدبیر ناکام رہی، تو وہ سخت ناراض ہوا، اور ان کی تلاش کا حکم دیا، لیکن جب یہ نہ ملے تو بجائے اُن کے شریک بن عبد اللہ نخعی کو کوفہ کا جج مقرر کر دیا،[1] اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے، ؎

تحرز سفیان وفر بدینه — وامسی شریک مرصدا للدراهم

(سفیان تو بچے اور اپنا دین لیکر بھاگ کھڑے ہوئے — مگر شریک روپئے کی گھات ہی میں رہا)

[1] یہ واقعہ مسعودی جلد ۲ ص ۲۰۰، ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۹۶، الکفوی ورق ۶۵ ب، شذرات الذہب سنہ ۱۶۱ سے ماخوذ ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ ملاقات درست نہیں معلوم ہوتی، یا للعجب،

ورودِ بصرہ، بغداد سے نکل کر سفیان بصرہ پہنچے، اور یحییٰ بن سعید القطان کے پڑوس میں قیام کیا، ایک دن مالکِ مکان سے پوچھا یہاں کوئی محدث بھی رہتے ہیں، اوس نے یحییٰ بن سعید کا نام لیا، سفیان نے کہا، ذرا اونھیں بلا لاؤ، یحییٰ آئے، تو سفیان نے ذکر کیا کہ وہ چھ سات دن سے یہاں مقیم ہیں، یحییٰ انھیں اپنے ساتھ لے گیے، اور اپنی دیوار بیچ ٹھہرا کر درمیان میں دروازہ توڑ لیا، تاکہ آمد و رفت میں سہولت رہے،

تعلیمِ حدیث، یہاں بصرہ کے اربابِ حدیث جوق جوق آنے، اور سماعتِ حدیث کرنے لگے، ان اصحاب میں جریر بن حازم، مبارک بن فضالہ، حماد بن سلمہ، مرحوم العطار، حماد بن زید، اور عبد الرحمن بن مہدی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں، موخر الذکر سفیان ہی کے ہو رہے تھے، چنانچہ قیامِ بصرہ کے زمانہ میں یحییٰ بن سعید اور ابن مہدی نے سب سے زیادہ سفیان کی حدیثیں لکھی ہیں،

سفیان اور ابو عوانہ، اس زمانہ میں محدث ابو عوانہ صاحبِ مسند بھی بصرہ میں فروکش تھے، یحییٰ اور ابن مہدی نے اون سے کہا، آپ سفیان سے کیوں نہیں ملے، ابو عوانہ نے کہا کہ جب وہ مجھے جانتے تک نہیں، تو میں کیوں جاؤں،

واقعہ یہ ہوا تھا، کہ ایک مرتبہ مکہ میں ابو عوانہ نے انھیں سلام کیا تھا، مگر انھوں نے جواب نہیں دیا، اور جب وجہ دریافت کیگئی تو کہا تھا، کہ میں ان صاحب کو پہچانتا نہیں ہوں،

تبدیلِ مکان، یحییٰ بن سعید بصرہ کے ممتاز محدثین میں تھے، اسلئے ان کے ہاں اربابِ حدیث کی آمد و رفت بکثرت، رہتی تھی، سفیان کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کے قیامِ بصرہ کی اطلاع حکومت کو نہ ہوجائے، اس بنا پر اونھوں نے مکان بدل دینے کی خواہش ظاہر کی، یحییٰ نے الہیثم بن منصور کے پڑوس میں منتقل کر دیا، یہاں سفیان کو قدرے اطمینانِ خاطر نصیب ہوا،

خلیفہ سے مراسلت، ایک دن حماد بن زید نے تحرز عن السلطان پر اُن سے گفتگو کی اور ثابت کر دیا

کہ حکومت سے مقاطعہ اہلِ بدعت کا رویہ ہے، سفیان بغداد جانے پر رضامند ہوگئے، اور یہ طے پایا کہ حماد ساتھ چلیں گے، سفیان نے مہدی کے نام خط لکھا، اور حسبِ سنت اپنے نام سے آغاز کیا، مشیروں نے کہا یہ لوگ اس طرز انشا، کو ناپسند کرتے ہیں، خود ان کے نام سے آغاز کیجئے، ثوری نے آغاز تبدیل کر دیا، اور اپنے نام کے عوض خلیفہ کا نام پہلے لکھا، بغداد سے اس خط کا امید افزا جواب آیا، جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ دربار میں ان کے شایانِ شان عزت و احترام ہوگا، اوران کی نکتہ چینیوں اور مشوروں کو سنا، اور عمل میں لایا جائے گا،

تیاری سفر، سفیان نے سفر کی تیاری شروع کر دی لیکن اسی اثنا میں بخار چڑھ آیا، جب بخار شدید ہوگیا، تو انھوں نے رونا دھونا شروع کیا، مرحوم بن عبد العزیز نے کہا، ابو عبد اللہ، رونا دھونا کیسا؟ آپ تو اوس رب کے پاس جا رہے ہیں، جس کی عمر بھر پرستش کی ہے، ان کلمات سے سفیان کو قدرے سکون ہوا، تو بولے، دیکھو میرے اصحاب میں یہاں کون کون موجود ہیں، لوگ عباد ان کو بلا لائے، عبد الرحمن بن عبد الملک اور حسن بن عیاش بھی آگئے، سفیان نے عبد الرحمن کو وصیت کی کہ تم میری نماز جنازہ پڑھانا،[1]

وفات، سمعانی لکھتا ہے، کہ انتقال سے پہلے سفیان الہیثم کے ہان سے اپنے شاگرد عبد الرحمن ابن مہدی کے ہاں چلے آئے تھے، ابنِ مہدی کہتے ہیں، کہ انتقال کے بعد میں نے اور یحییٰ بن سعید نے انھیں غسل دیا، عبد الرحمن بن عبد الملک نے حسبِ وصیت نماز جنازہ پڑھائی، اور خالد بن حارث وغیرہ کی مدد سے، عشاء کے وقت قبرستان بنی کلیب میں اس آفتابِ علم و ماہتابِ زہد کو خاک میں چھپا دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، چونکہ سفیان کا قیام بصرہ عوام سے مخفی تھا، اسلئے اہلِ بصرہ کو ان کی وفات کا یقین

---

[1] یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۴ سے ماخوذ ہے، [2] سمعانی نے ابو حاتم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے قبرستان بنی کلیب میں سفیان کی قبر کی زیارت کی ہے،

نہ ہوتا تھا، تاہم جنازہ کے ہمراہ انسانوں کا دریا امنڈ آیا تھا، دفن سے فراغت کے بعد ابن عبد الملک اور ابن حی نے کوفہ جا کر انکے ہموطنوں کو خبر موت پہنچائی،

تاریخ وفات، سفیان ثوری نے مہدی کے عہدِ خلافت میں شعبان ۱۶۱ھ کو بصرہ میں وفات پائی، ابن سعد اور ابن القیسرانی نے تصریح کی ہے، کہ اس سنہ پر تمام مورخین کا اجماع ہے، امام بخاری، طبری، مسعودی، سمعانی، ذہبی، عسقلانی، اور صاحب تاریخ گزیدہ وغیرہ نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، البتہ ابن خلکان، اور مورخ یافعی ۱۶۲ھ بھی لکھتے ہیں، لیکن خود انھیں اس پر اعتماد نہیں، چنانچہ دونوں نے "بقول بعض" کہکر اس قول کی تضعیف کر دی ہے، صاحبِ خزینۃ الاصفیار (ص، ۲۹) کو اجماعی سال کے علاوہ دوسرا ۱۵۵ھ ہجری ملا ہے، لیکن وہ بھی بقول بعض اہل اخبار کہکر صحت کے ذمہ دار نہیں بنے،

علامہ ذہبی کی طبقات الحفاظ کے خلاصہ میں جو سیوطی کا نتیجہ قلم ہے، ۱۶۹ھ ہجری سالِ وفات درج ہے، لیکن اس کتاب کے قلمی نسخہ رامپور میں ۱۴۱ھ ملتا ہے، چونکہ یہ دونوں سنہ ذہبی کی تصریح کے خلاف ہیں، نیز اغلاط نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اس لئے اون کو ۱۶۱ھ کی تصحیف سمجھنا چاہئے،

عمر سفیان کی مقدار عمر میں بھی اختلاف ہے، سمعانی، یافعی، اور مناوی نے ۶۶، عسقلانی اور صاحب تاریخ گزیدہ نے ۶۴، اور مسعودی نے ۶۳ سال لکھے ہیں، چونکہ ثوری کے سالِ وفات ۱۶۱ھ پر سب کا اجماع ہے، اور یہ امر ولادت کے بیان میں ثابت ہو چکا ہے، کہ وہ سلیمان کے عہد میں ۹۷ھ کو پیدا ہوئے تھے،

۱؎ مرآۃ الجنان و شذرات الذہب تحت ۱۶۱ھ ۲؎ تاریخ صغیر ص ۲۰۶، طبع الہ آباد، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ و دول الاسلام قلمی ذکر مہدی، ۴؎ تہذیب و تقریب التہذیب ص ۱۵۱ طبع الہ آباد ۱۳۲۰ھ و تاریخ گزیدہ جلد ۱ ورق ۵۰، طبع لیڈن، ۵؎ خلاصہ طبقات ص ۵۰ طبع یورپ،

اسلئے عسقلانی کا بیان اصح ہے،

اولاد، سفیان نے اپنے بعد کوئی اولاد نہ چھوڑی، ان کے صرف ایک لڑکا تھا، یہ اس سے بے حد مانوس تھے، اور اکثر کہا کرتے تھے، کہ مجھے دنیا میں اس سے محبوب تر کوئی شے نہیں، کاش میں اس سے پہلے چل بسون، لیکن جب وہ اون کے سامنے فوت ہو گیا، تو انھوں نے اپنی ساری پونجی بہن اور بھانجے عمار بن محمد کو ہبہ کر دی، مبارک بن سعید ان کے بھائی نے بعد میں وفات پائی، لیکن اونھیں ورثہ میں کچھ نہ ملا۱؎

حکیمانہ اقوال، سفیان کے حکیمانہ اقوال کتبِ تاریخ و ادب و سلوک میں بکثرت منقول ہیں، ہم یہان ان کا انتخاب درج کرتے ہیں،

۱- عالم طبیب اور روپیہ مرض ہے، پس جب طبیب خود مریض ہو، وہ دوسروں کا علاج کیا کریگا،

۲- لوگون کیلئے حدیث سے زیادہ نافع کوئی علم نہیں، نہ کوئی عمل طلبِ حدیث سے افضل ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو، لیکن یہ پر خطر بہت ہے،

۳- اہلِ حدیث کو زکواۃ دینا لازم ہے یعنی ۲۰۰ احادیث میں کم از کم ۵ پر ضرور عمل کریں،

۴- جو درویش تونگروں کے آس پاس پھرے، وہ ریاکار ہے، جو بادشاہ کے پاس آمد و رفت رکھے وہ چور ہے، اور جو اپنی ذات کو دوسرون سے افضل سمجھے، وہ متکبر ہے،

۵- کھانے کی لذت اور بدمزگی ہونٹ سے حلق تک رہتی ہے، اسلئے اتنا صبر کر لو کہ وہ حلق سے اُتر جائے، چونکہ یہ سفر بہت جلد طے ہو جاتا ہے، اسلئے اتنا صبر چندان دشوار نہیں،

۶- جو شخص خدا کی راہ میں ناپاک کمائی صرف کرتا ہے، گویا وہ پیشاب سے کپڑا پاک کرنا چاہتا ہے،

۷- جب خود عالم بگڑ جائیں تو بتاؤ ان کی اصلاح کرنے کون آئے،

۱؎ ابن سعد جلد ۶ ص، ۲۵۷ و کتاب المعارف لابن قتیبہ،

۸۔ جب تم کسی کو ایسا کام کرتے دیکھو جس کے تم خلاف ہو، تو اس شخص کی توہین نہ کرو،

۹۔ عقلمند کی شان یہ ہے، کہ اگر اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی ہو تو خود دنیا پر نہ جھکے،

۱۰۔ ایک شخص نے کہا کچھ نصیحت کیجیے، آپ نے کہا، یہ غور کرتے رہنا کہ تمھاری روٹی کہان سے آتی ہے،

۱۱۔ بڑے آدمی کے ساتھ سفر کبھی نہیں کرنا، کیونکہ تم اس کے برابر خرچ کر دگے، تو تمھیں نقصان پہونچیگا اور اگر اوس سے کم اٹھاوٗگے، تو وہ تم سے بچے گا،

۱۲۔ بیویون کی کثرت دنیا داری نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ جناب علی رض ازہد صحابہ میں تھے، مگر ایکے چار بیویان اور ۱۹ باندیان تھین،

۱۳۔ اس زمانہ میں نجات لوگون سے پرہیز کرنے میں ہے، لہذا امراء سے بچو، لوگ تم سے کہیں گے، کہ امراء سے ملاقات رکھنے کی صورت میں آپ ضرورت مندون کی سفارش کر سکتے ہیں مظلوم کی حمایت کر سکتے ہیں ظلم کو روک سکتے ہیں، مگر یہ سب شیطان کا فریب ہیں،

۱۴۔ اگر تم اپنے آپ کو پہچان لو، تو لوگون کی بری بات سے تکلیف نہ ہو،

۱۵۔ عادل امام پانچ ہیں، خلفاے اربعہ اور عمر بن عبد العزیز، جو شخص اون کے علاوہ کسی کو عادل کہے وہ حد سے بڑھ گیا،

تصنیفات اس باب میں علما کا اتفاق ہے، کہ مذہب اور متعلقات مذہب پر تصنیف و تالیف کا آغاز اسلام کی دوسری صدی میں ہوا، لیکن شرف اوّلیت میں مختلف اقوال مروی ہیں، حاجی خلیفہ لکھتا ہے،[1]

"خطیب بغدادی کا بیان ہے، کہ بعض علما، امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج البصری

[1] کشف الظنون، جلد ۱، ص ۱۰۰ و ۱،

المتوفی ۱۵۵ھ کو، اور بعض سعید بن عروبۃ المتوفی ۱۵۶ھ کو پہلا مصنف قرار دیتے ہیں، مگر ابو محمد رامہرمزی بقول بعض اصحاب ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کو یہ شرف عطا کرتے ہین"،

حاجی خلیفہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مصنفین اسلام کا طبقہ اولیٰ ہے، طبقہ ثانیہ میں ابن عیینہ، امام مالک، ابن وہب معمر، امام ثوری، وغیرہ اصحاب ہین، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ چونکہ یہ اصحاب معاصر اور ایک دوسرے سے صرف چند سال کے تفاوت سے فوت ہوئے ہیں، اس لئے بغیر کافی تاریخی شہادت کے کسی ایک کو بھی پہلا مصنف قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ امام سفیان ثوری کے متعلق اس قدر یقینی ہے، کہ یہ مصنفین اسلام کی ابتدائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے،

سفیان ثوری کی مصنفات کی صحیح تعداد معلوم نہین، بعض اصحاب نے ابن قتیبہ کی پیروی مین یہ یقین کر لیا ہے کہ ثوری نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی تمام تصنیفات نذر آتش کرا دی تھیں، اسلئے آج اون کا وجود عنقا ہے، لیکن درحقیقت یا تو ثوری نے یہ وصیت ہی نہیں کی، یا اگر کی تھی، تو اس پر عمل نہین کیا گیا، کیونکہ اون کی بعض تصنیفات ۱۳ ویں صدی ہجری کے وسط تک درس و تدریس میں کام آتی رہی ہیں،

ثوری کی وہ کتابیں جن کے اسمار اور مضامین دونون ہمیں معلوم ہو چکے ہیں، حسب ذیل ہین،

۱۔ الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف:

یہ کتاب ابو بکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں[1] اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھوین صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی،[2]

۲۔ الجامع الصغیر،

۳۔ کتاب الفرائض

[1] الفہرست ص ۲۷۵، طبع سرقسطہ ۱۸۹۳ء [2] حصر الشارد، مخطوط حرف جیم، تصنیف ۱۲۴۰ھ

یہ فرائض نامہ محمد عابد سندی نے پڑھا ہے، اسلئے ۱۲ وین صدی کی موجودات میں شمار کیا جائے گا۔[1]

۴۔ کتاب التفسیر:۔

یہ تفسیر کشف الظنون مین تفسیر الثوری کے نام سے مذکور ہے، لیکن خود حاجی خلیفہ کی نظر سے نہیں گذر سکی، اسلئے وہ صرف ذکرہ الثعلبی لکھ کر گذر گئے ہیں، البتہ علامہ محمد عابد سندی نے یہ تفسیر پڑھی تھی، چنانچہ وہ اس کا سلسلۂ سند اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"اما کتاب التفسیر للامام الثوری فانا ارویه، عن الشیخ صالح الفلانی عن محمد بن مسند عن مولائی الشریف محمد بن عبد الله باجازته عن محمد بن عبد الرحمٰن العلقمی عن الحافظ السیوطی عن الحافظ ابن حجر عن عبد القادر بن محمد بن علی الدمشقی سبط الحافظ الذهبی انا احمد بن علی بن الحسن الجزری انا محمد بن اسمٰعیل بن ابی الفتح خطیب مردا انا علی بن حمزة بن علی بن طلحة البغدادی انا ابو القاسم هبة الدین محمد بن عبد الواحد بن الحصین انا محمد بن ابی ابراهیم بن غیلان انا محمد بن عبد الله بن ابراهیم الشافعی انا اسحاق بن الحسن الجزمی انا ابوحذیفة موسٰی بن مسعود النهدی عن سفیان الثوریؒ"۔

اس سند سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سفیان سے روایت تفسیر کا شرف اون کے شاگرد ابوحذیفہ النہدی کو حاصل ہوا ان کتابون کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں، فہرست ابن ندیم اور تاریخ ابی المحاسن کے حوالہ سے ۲ رسالے اور بھی اون کی مصنفات میں شمار کئے ہیں، لیکن خود مقالہ نگار کو بھی ان رسائل کے القاب اور مضامین سے واقفیت نہیں، اسلئے انکا ذکر بکار آمد نہیں،

گذشتہ صدی میں پریس کے وجود میں آجانے کے سبب جہاں علمائے اسلام کی دوسری ہزارہا

[1] حصر الشارد حرف فا منقلۂ ثانیہ حرف تا ورق ۱۳۹ الف،

نادرہ کار کتابون کو صفحۂ ہستی سے ناپید ہونا پڑا، وہین سفیان کی تصنیفات بھی نذر عدم ہوگئین، لیکن خوش قسمتی سے کتب خانہ عالیہ رامپور میں کتاب التفسیر کا ایک نسخہ نکل آیا، یہ علم کلام عربی کی ایک کتاب کے آخر میں مجلد تھا، مرتبین فہرست عربی نے اصل کتاب کا جز خیال کرکے اوس کی طرف توجہ نہ کی، اور تقریبًا ۵۰ برس تک وہ نسخہ اپنی مستقل ہستی فنا کئے رہا، گذشتہ سال میں مخطوطات علم کلام عربی کی از سر نو فہرست مرتب کر رہا تھا، کہ یہ در مکنون ہاتھ آیا،

یہ نسخہ قدیم عربی خط میں دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے، کاغذ، روشنائی، اور رسم خط سے یہ قیاس کیا جاتا ہے، کہ ۶ صدی ہجری سے اوس طرف کا نوشتہ ہے، اول و آخر سے چند اوراق ضائع ہوگئے ہیں، اس وقت ۸۰ ورق باقی ہین، ہر صفحہ میں ۲۰ سے لے کر ۲۳ تک سطور ہین، سائز ½۱۰×۶ ہے، کتاب آیت "لا اکراه فی الدین" کی تفسیر سے شروع ہو کر سورۂ والطور کی آیت اولیٰ کی تفسیر کے آغاز پر ختم ہو جاتی ہے، ہر سورۃ کا عنوان جدا ہے، تفسیر کے لئے وہی آیات انتخاب کی گئی ہین جن مین کوئی مشکل لفظ یا محاورہ یا کوئی تلمیح ہو، اور ہر تفسیر بیشتر تابعی یا صحابی اور کمتر خود رسول اللہ تک پہنچائی جاتی ہو، مفسر نے الفاظ تفسیر میں بحد اختصار سے کام لیا ہو،

تفسیر کے موجودہ نسخہ کا آغاز یہ ہے:۔

........الاسلام یعنی ظور تهم (؟) فنزلت لا اکراه فی الدین سفیٰن عن منصور بن المعتمر عن مجاهد فی قوله ویلعنهم اللاعنون قال العقارب والخنافس والدواب یقولون حبس عن المطر بذنوب بنی آدم الخ،

خاتمہ کی عبارت یہ ہے:۔

سورة الطور، سفیٰن عن عمرو بن مرة عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال ان الله........

سورۃ یٰسین اور سورۃ الصافات کے آغاز میں سند روایت اس طرح مذکور ہے :۔

حدثنا حمد ثنا ابوحذیفہ ثنا سفین الخ،

ابوحذیفہ کا پورا نام موسیٰ بن مسعود النہدی ہے، عسقلانی وغیرہ نے ان کو تلامذۂ ثوری میں ذکر کیا ہو یہی

بزرگ صاحب حصر الشارد کی سند میں سفیان ثوری سے روایت تفسیر کرتے ہیں،

ثوری کی اس تفسیر کے متعلق تجویز یہ ہے، کہ کتب خانہ کی جانب سے اوسکو شائع کیا جائے، چنانچہ آج

کل میں اس پر کام کر رہا ہون، انشاء اللہ سال آیندہ میں اس کا ایک اچھا اڈیشن نذر کیا جائے گا،

والحمد للہ فی الاول والآخرہ۔

چینی مسلمان

آغاز اسلام سے آج تک چین میں مسلمانون کی جو مذہبی اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی

حالت رہی ہے، اوس کو خود چین کے ایک دردمند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدر الدین

چینی نے جنھون نے جامعہ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے، اور دار العلوم ندوہ میں

درسی کے فرائض انجام دئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیون کے قدیم وجدید حالات سے بے خبر ہیں انکے لئے اس

کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت عہ

افکار عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیان کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۶ بابوں میں تمام

ہوئی ہے اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ،

"منیجر"

"سرودِ زندگی"

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین،

حضرت اصغر اور اون کی شاعری باذاق اور سخن فہم حلقہ میں بیگانہ نہین، وہ دورِ جدید کے ان مشاطگان سخن

مین ہین جنھون نے لیلائے تغزل کے بکھرے ہوئے گیسوؤن کو سنوارا ہے، اور اس کے دلفریب جمال کو جس کا پرانا اور

دقیانوسی سامان زینت جمال شاعری کے ساتھ ارباب نظر کی نگاہون کو بھی مجروح کر رہا تھا، جدید طرز سے آراستہ

اور نئے آب و رنگ سے نکھار کر ارباب نظر کی محفل میں آنے کے قابل بنایا،

آج سے دس سال پیشتر ان کا پہلا اسم بامسمّٰی دیوان "نشاط روح" ارباب ذوق سے خراج تحسین

حاصل کر چکا ہے، ٹھیک دس سال کے بعد انھون نے دوسرا دیوان "سرودِ زندگی" ارباب نظر کے سامنے پیش

کیا ہے، یہ مختصر دیوان چھوٹی تقطیع کے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، شروع میں مصنف کا ایک مختصر دیباچہ ہے جو ان

کے علوے نفس، اور بلند نظری کا آئینہ دار ہے، اس کے بعد ہندوستان کے مشہور باذاق سر تیج بہادر کے قلم کا

لکھا ہوا، دس صفحات کا ایک مقدمہ ہے، جسمین انھون نے اجمالاً معیار شاعری پر بحث کر کے حضرت اصغر

کی شاعری کو اس پر منطبق کیا ہے، یہ مقدمہ دلچسپ اور بعض حیثیتون سے مفید بھی ہے، آخر میں امام الہند مولانا

ابوالکلام آزاد کی ایک مختصر تقریظ ہے؛

"سرودِ زندگی" پہلا دیوان بلکہ غالباً پہلی کتاب ہے، جسے مولانا کی تقریظ کا طرۂ افتخار حاصل ہوا ہے، دیوان

لہ حجم ۱۰۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ :۔ جناب اصغر اڈیٹر ہندوستانی، الہ آباد،

کی اشاعت سے پہلے مولانا کے مقدمہ کی شہرت سُن کر اس کے دیکھنے کا حیرت آمیز اشتیاق پیدا ہوا تھا، کہ مولانا کے پربہار قلم نے معلوم نہیں کیا کیا گلکاریاں کی ہون گی، اور اردو میں شاعری کی جانچ کے لئے حالی کے مقدمۂ شعر و شاعری اور ڈاکٹر عبد الرحمن مرحوم بجنوری کے مقدمۂ دیوان غالب کے بعد ایک اور معیار قائم ہوجائے گا، لیکن دیوان دیکھنے کے بعد معلوم ہوا، کہ اس شہرت کی حیثیت اشتہار سے زیادہ نہ تھی، اور مولانا نے حسبِ معمول اس معاملہ میں بھی اپنی انفرادیت اور امتیازی شان قائم رکھی ہے، جس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہو گا، فرماتے ہیں:-

احباب میری کوتاہ قلمی سے بے خبر نہیں، خصوصاً تقریظ کے معاملہ میں، لیکن بعض تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کی تعمیل کرنی ہی پڑتی ہے......... اگر یہ تقاضا صاحبِ کلام کا ہوتا تو میں حسبِ معمول معذرت کر دیتا، لیکن خود کلام کا تقاضا ہے، اور اس کے لئے میرے پاس کوئی معذرت نہیں،

کئی سال کی بات ہے، انھون نے (اصغر) اپنے کلام کا پہلا مجموعہ جو نشاطِ روح کے نام سے شائع ہوا تھا، مجھے بھیجا تھا، اسوقت تک ان کا کلام میری نظر سے نہیں گذرا تھا، چونکہ وقت کی عام ادبی سرگرمیون کی طرف سے طبیعت مایوسی کی عادی ہو چکی تھی، اس لئے میں نے بے دلی کے ساتھ مجموعہ اوٹھایا، اور چاہا کہ ورق گردانی کرنے کے بعد رکھ دون، لیکن مجھے اس اعتراف میں تامل نہیں کہ جون ہی دو چار شعر نظر سے گذرے، میں چونک اٹھا، اور جون جون مطالعہ کرتا گیا، میری تعجب انگیز مسرت بڑھتی گئی، میں نے محسوس کیا کہ وقت کی عام مایوسیان مستثنیات سے خالی نہیں

میری نگاہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کرتی، میں معیار کی پستی پر اپنے کو کسی طرح راضی نہیں کر سکتا، اہل فن کو مجھ سے خوش گمانی کی نہیں، بدگمانی کی شکایت ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہون، جس شاعر کے کلام میں حسب ذیل اشعار موجود ہون، اوس کی شاعری کی وقعت بحث و اثبات کی محتاج نہیں ہو سکتی،

ان سطور کی نگارش سے مقصود انتقاد و تبصرہ نہیں ہے، اس کام کے لئے اور لوگ موجود ہین

مقصود یہ ہے، کہ اپنا تاثر ظاہر کرون، محاسن کا حق ہے، کہ انکی شہادت دیجائے میں نے اصغر صاحب کے کلام میں حسن و خوبی پائی، میرا فرض تھا کہ اسکی شہادت دون"

ہم نے چند پیراگراف کے علاوہ قریب قریب کل تقریظ نقل کردی ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا تقریظ نگاری کے فرض سے کس خوش اسلوبی کیساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں، جو انکا مخصوص کمال ہے، لیکن انکے قلم سے یہ سند قصد تحقیق بھی کچھ کم نہیں،

اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے، جو چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات میں ہے، ابتدا میں دو ایک نظمین ہیں، اس کے بعد غزلین، پھر ناتمام غزلین، اور متفرق اشعار ہیں، آخر کے چند صفحات میں فارسی کا کلام ہے، دیوان کی ترتیب جدید مذاق کے مطابق ردیف وار کے بجائے زمانی ہے، اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے، کہ پڑھنے والے کو شاعر کی تدریجی ترقی کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے'

کلام اصغر کی خصوصیات اور قدیم و جدید کلام کا فرق،

اصغر صاحب کے کلام کی خاص خصوصیت اور اون کا امتیازی وصف جو انھیں دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے، ان کا تصوف اور فلسفہ آمیز تغزل ہے، جس کا رنگ ہر شعر میں نظر آتا ہے، اگرچہ اس وصف سے ان کے کسی دور کا کلام خالی نہیں، لیکن ان کا پہلا کلام اس دور نشاط کے تاثرات کا نتیجہ ہے، جبکہ ہر جلوۂ زیبا جنت نگاہ اور ہر نغمۂ رنگین فردوس گوش اور ہر خیال عشق کا بیان اور حسن کی تفسیر ہوتا ہے اور فضائے عالم میں ہر طرف رنگینی و مستی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، ولولون اور جذبات میں طوفان کا جوش و خروش ہوتا ہے، اس لئے نشاطِ روح میں رنگینی و سرمستی اور کیف و سرور کا وفور ہے، لیکن ان نشیلی اور سے بار فضا سے بھی شرابِ حقیقت کے قطرات ٹپکتے نظر آتے ہین،

اور سرودِ زندگی اس عہد کا کلام ہے، جبکہ جذبات کا طوفان تھم جاتا ہے، جوش و خروش کی جگہ فکر و تدبر لے لیتے ہین، نگاہین ظاہری آب و رنگ سے گذر کر حسنِ حقیقت کی تلاش میں لگ جاتی ہیں، اس لئے سرودِ زندگی میں سنجیدگی ہے، گہرائی ہے، فکر و تدبر ہے، بیان حقیقت ہے، اخلاق ہے، فلسفہ ہے، تصوف ہے، غرض اس سرود

کے تمام نغمے لاہوتی ہیں، اگرچہ کہیں کہیں مجاز کا رنگین تجابھی نظر آتا ہے، لیکن وہ اتنا لطیف اور ہلکا ہے، کہ اندر سے حسنِ حقیقت صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے، لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، ان تمام محاسن کے باوجود بڑا حصہ خیالات کی رعنائی اور جذبات کی بے ساختگی سے خالی ہے، اور خیال آفرینی کا غلبہ ہے، بہرحال پہلے انکا حقیقی رنگ ملاحظہ ہو،

رنگ تصوف:-

مجاز کا بھی حقیقت سے ساز رہنے دے ۔۔۔ یہ راز ہے، تو اُسے حُسنِ راز رہنے دے

لفظ پرست اس راز کے محرم نہیں،

نوائے راز کا سینہ میں خون ہوتا ہے، ۔۔۔ ستم ہے لفظ پرستون میں گھر گیا ہوں میں

ابھی ظاہر پرست ان خیالات کے متحمل نہیں،

زمانہ آرہا ہے جب اُسے سمجھینگے سب اصغر ۔۔۔ ابھی تو آپ خود کہتے ہیں، خود تنہا سمجھتے ہیں

اس مقام حقیقت اور راہ سلوک کے مختلف احوال و کوائف ہیں، حسنِ حقیقت کی مختلف کیفیتیں ہیں، انکے پر مختلف اور بعض مرتبہ متضاد حالات گذرتے ہیں، سالکین کے خاص خیالات و معتقدات و مصطلحات ہیں اصغر نے ان تمام احوال و کوائف اور صوفیانہ نکات کو نہایت کامیابی اور دل آویز طریقہ سے بیان کیا ہے، مقام سلوک وہ ہے، جہاں خود سالک کا بھی گذر نہیں، اس راہ میں قدم رکھنے کے بعد قیل و قال اور وجد و حال سب ختم ہو جاتے ہیں،

اب نہ وہ قیل و قال ہے اب نہ وہ وجد و حال ہے ۔۔۔ میرا مقام ہے وہاں میرا جہاں گذر نہیں

اس مقام خلوت کے ماجرے اور راز و نیاز کفر و ایمان کی سرحدِ ادراک سے ماوراء ہیں،

ہوئے جو ماجرے خلوت سرائے راز میں آگے ۔۔۔ نہ کفر اس سے ہوا واقف خبر انکی نہ ایماں کو

یہاں پہنچکر قلب و دماغ، خیال و نظر سب پر مطلوب ہی مطلوب چھا جاتا ہے، اور خیال و نظر کے

تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں،

سما گئے میری نظروں میں چھا گئے دل پر ۔۔۔ خیال کرتا ہوں اُن کو کہ دیکھتا ہوں میں

نظر و منظر کچھ بھی باقی نہیں رہتا، بس ایک محویت رہجاتی ہے،

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اور نہ کوئی نگاہ میں ۔۔۔ محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

جمال مطلوب اور خیال مطلوب کے علاوہ خود اپنا ہوش بھی باقی نہیں رہتا،

ترا جمال تیرا خیال ہے تو ہے، ۔۔۔ مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں

اس عالم بے خودی میں بس ایک سجدۂ شوق کی بے قراری رہ جاتی ہے، سرِ نیاز اور آستانِ ناز کی بھی خبر نہیں رہتی،

بے خودی کا عالم ہے محوِ جبہ سائی ہوں ۔۔۔ اب نہ سر سے مطلب ہے اور نہ آستانے سے

جلوۂ بے رنگ کی نمود سے حسنِ حقیقت کا چہرہ بھی نہیں پہچانا جاتا،

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اسقدر گم ہیں ۔۔۔ کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

صرف اتنا اُڑا اُڑا سا خیال آتا ہے،

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری ۔۔۔ تمہیں کو میں نے دیکھا تھا بس اتنا یاد آتا ہے

لیکن پھر چشم حقیقت نگر تمام حجابوں کو چاک کر ڈالتی ہے، اور سازِ روح نغمہ سرا ہو جاتا ہے،

بے محابا اب فروغِ روئے جاناں دیکھئے ۔۔۔ فکر ایمان کیا نظر سے عینِ ایماں دیکھئے

حسنِ حقیقت مجاز کے پردوں میں نظر آتا ہے،

مے بے رنگ کا سو رنگ سے رسوا ہونا ۔۔۔ کبھی میکش کبھی ساقی کبھی مینا ہونا

دیدۂ بینا فروغِ بادہ و حسنِ بتاں ۔۔۔ ہر طرف پھیلا ہوا ہے، نورِ عرفاں دیکھئے

روزِ روشن یا شبِ مہتاب یا حسنِ چمن ۔۔۔ ہم جہاں سے چاہتے، وہ روئے زیبا دیکھتے

جن پردوں میں وہ نظر آتا ہے ان کی رنگینی اور تابانی کا عجیب عالم ہوتا ہے،

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے،

کبھی خود پاک نظر دیکھنے والا احترامِ حسن میں مجاز کا پردہ ڈال لیتا ہے،

کہہ کے کچھ لالہ و گل رکھ لیا پردہ میں نے
مجھ سے دیکھا نہ گیا حسن کا رسوا ہونا،

حسنِ حقیقت کا رنگ کچھ پردۂ مجاز ہی میں دلآویز نظر آتا ہے،

جان کر رکھا ہے، کچھ ہم نے حجابِ دہر کو
توڑ کر شیشہ کو پھر کیا رنگِ صہبا دیکھئے

حسنِ حقیقت کی بے حجابی حجابِ نظر بنجاتی ہے۔

یہ جلوہ کی فراوانی یہ ارزانی یہ عریانی
پھر اس شدت کی تابانی کہ ہم پردہ سمجھتے ہیں

ہوں کامیاب دیدہ بھی محروم دید بھی
جلووں کے اژدحام نے حیراں بنا دیا

یہ تخیل کسقدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ نظارہ کی کامیابی ذوقِ نظر کی بربادی ہے،

سمائے جارہے ہیں اب وہ جلوے دیدہ و دل میں
یہ نظارہ ہے یا ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے،

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ سب ظاہری آب و رنگ کا فریب ہے، حقیقت کی کسی کو خبر نہیں،

چمک دمک پہ مٹا ہوا ہے یہ باغباں تجھکو کیا ہوا ہے
فریبِ شبنم میں مبتلا ہے، چمن کی ابتک خبر نہیں ہے

اس میکدۂ عالم میں بے خبری ہی چاہئے، باخبری اور ہوش معصیت ہے،

یہاں ہیں ہوں نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ صہبا ہے
یہ میخانہ ہے، اس میں معصیت ہے باخبر ہونا

اس بے خبری اور بے ہوشی کی وجہ سے ساز اور آواز کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی

ہوش باقی ہوں تو اس پر کاوشِ بیجا بھی ہو
کیا خبر مجھکو کہ یہ آواز ہے، یا ساز ہے،

لیکن اس بے خبری اور بے ہوشی میں بھی ساقی کی محفل دیکھنے والے کچھ باخبر ہیں، جو خطِ ساغر میں حق و باطل کا امتیاز کرتے ہیں،

خطِ ساغر میں رازِ حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

ساقی نے مئے صافی عنایت کی تھی، خود ہمارے پیمانے نے اسکو لون و رنگ سے مکدر کر دیا ہے،

مرے ساقی نے عنایت کی مئے دُرد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانہ میں ہے

اگر اس تخیل کے ساتھ وہ حدیث پیشِ نظر رکھی جائے، کہ خدا نے سب کو دینِ فطرت پر پیدا کیا تھا ان کے والدین نے ان کو یہودی اور نصرانی بنالیا تو یہ ایک لطیف تلمیح ہوجاتی ہے، دماغی علم و حکمت سے عقدہ کشائی نہیں ہوتی، اس کیلئے میخانۂ دل چاہئے،

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہے، سب چھانا ہوا
یہ غنیمت ہے، درِ میخانہ ابتک باز ہے،

خرد کے سامنے حجابِ عالم ہے اور نگاہِ عشق بے پردہ دیکھتی ہے،

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اوسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے،

ایمان کی بسیط حقیقت کفر ہے، اور یہ حقیقت ہے کیونکہ کفر ہی میں قیود لگانے سے ایمان بنتا ہے،

اے شیخ وہ بسیط حقیقت ہے کفر کی
کچھ قید و رسم نے جسے ایمان بنا دیا،

کسی قدر ترمیم کیساتھ یہ تخیل غالب کے اس شعر سے ماخوذ ہے،

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں،

کفر و ایمان کی فرسودہ رسم اربابِ نظر کے شایاں نہیں،

رسمِ فرسودہ نہیں شایانِ اربابِ نظر
اب کوئی منظر بلند از کفر و ایمان دیکھئے

یہ تخیل کسقدر رنگِ حقیقت میں ڈوبا ہوا ہے،

دوزخ بھی ایک جلوۂ فردوسِ حسن ہے
جو اس سے بے خبر ہیں وہی ہیں عذاب میں

بعض عرفا کا یہ خاص مسلک ہے،

حرم نشینوں پر سکونِ مطلق طاری ہے اور صنم کدۂ دل میں تجلیوں کی بارش ہے،

بس اک سکوت ہے طاری حرم نشینوں پر		صنم کدے میں تجلّی ہے، اور ہیم ہے،

اسی سے نماز کی کیفیت میں جان پڑتی ہے،

موجِ نسیمِ صبح میں بوئے صنم کدہ بھی ہو		اور بھی جان پڑ گئی کیفیتِ نماز میں،

لیکن شیخِ حرم نشین کا تنگ ظرف اس کا متحمل نہیں ہو سکتا،

صنمکدہ میں تجلّی کی تاب مشکل ہے،		حرم میں شیخ کو محوِ نماز رہنے دے،

کسقدر فلسفیانہ حقیقت ہے،

اے کاش میں حقیقتِ ہستی نہ جانتا		اب لطفِ خواب بھی نہیں احساسِ خواب میں

بعض بعض غزلیں پوری کی پوری رنگِ حقیقت میں ڈوبی ہوئی ہیں؛

خدا جانے کہاں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے		کہ اسکو ڈھونڈھتے ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے

تڑپنا ہے نہ جلنا ہے نہ جلکر خاک ہونا ہے،		یہ کیوں سوئی ہوئی ہے فطرتِ پروانہ برسوں سے

کوئی ایسا نہیں یارب کہ جو اس درد کو سمجھے		نہیں معلوم کیوں خاموش ہے دیوانہ برسوں سے

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی کیسی		نہیں دیکھی اداے لغزشِ مستانہ برسوں سے

کبھی سوزِ تجلی سے اُسے نسبت نہ تھی گویا		پڑی ہے اس طرح خاکسترِ پروانہ برسوں سے

مری رندی عجب رندی مری مستی عجب مستی		کہ سب ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

حسینوں پر نہ رنگ آیا نہ پھولوں میں بہار آئی		نہیں آیا جو لب پر نعرۂ مستانہ برسوں سے

کھلی آنکھوں سے ہوں حسنِ حقیقت دیکھنے والا		ہوئی لیکن نہ توفیقِ درِ میخانہ برسوں سے

لباس زہد پر پھر کاش نذرِ آتشِ صہبا		کہاں کھوئی ہوئی ہے جراتِ رندانہ برسوں سے

جسے لینا ہو آکر اس سے اب درسِ جنوں لیلے
سنا ہے ہوش میں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے

تغزل، اصغر صاحب کا اصل رنگ عرفان و حقیقت اور حقیقی مذاق فلسفہ و حکمت ہے، اور اونھوں نے ان دقیق مسائل کو جس کامیابی اور جس دل آویز طریقہ سے ادا کیا ہے، اس کا اندازہ اوپر کے اشعار سے ہو گیا ہوگا، لیکن ان حقائق سے لطف اوٹھانے والے مخصوص اربابِ دل ہیں، ظاہر بیں نگاہوں اور عام تماشائیوں کے لئے عشقِ مجازی کی روشنی اور ظاہری آب و رنگ کی نظر فریبی درکار ہے، بغیر اس کی آمیزش کے دل لذت گیر نہیں ہوتا، اصغر صاحب اس چمن کے بھی ایک خوشنوا نغمہ سرا ہیں، اور اپنی خوش مذاقی سے انھوں نے ایسے رنگ برنگ کے اور بوقلموں پھول کھلائے ہیں کہ ان کے کلام کا یہ حصہ تختۂ بہار نظر آتا ہے، لیکن ان پر تصوف کا رنگ ایسا چھایا ہوا ہے کہ مجاز و حقیقت میں امتیاز دشوار اور انھیں علحدہ کرکے دکھانا تو دشوار تر ہے، پھر بھی کچھ کلام کی رنگینی اور کچھ مذاق سلیم کی مدد سے ایک خیالی حد قایم کیجا سکتی ہے، انھوں نے اس رنگ میں بھی اتنا اور ایسا کہا ہے کہ اس سے پوری روداد عشق محبت مرتب ہو سکتی ہے، آغاز عشق و محبت:

وہ نغمہ بلبلِ رنگیں نوا اک بار ہو جائے		کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

عشق و محبت کی وسعت و ہمہ گیری:-

نشۂ عشق میں ہر چیز اڑی جاتی ہے		کون ذرہ ہے جو سرشارِ محبت میں نہیں

عشق کی عظمت:-

دیکھا ہے کوہِ طور کو بھی فرشِ خاک پر		افتادگیِ عشق اگر نارسا نہ ہو

عشق کی تمنا:-

قلب پر گرتی تڑپ کر پھر وہی برقِ جمال		ہر بنِ موسی سے وہی آشوبِ غوغا دیکھئے

حسنِ تخیل:-

کم سے کم حسنِ تخیل کا تماشا دیکھئے		جلوۂ یوسف تو کیا خوابِ زلیخا دیکھئے

عشق کی استدار:-

وہ شوخ بھی مجبور ہے معذور ہوں میں بھی — کچھ فتنے اُٹھے حسن سے کچھ حُسنِ نظر سے

التجاے خلوت:-

خبر کسی کو نہ ہوگی کنارِ شوق میں آ — جہاں چشم مہ و مہر باز رہنے دے،

تمناے جذبِ شوق:-

اس طرح کچھ رنگ بھر جاتا نگاہِ شوق میں — جلوہ خود بیتاب ہو جاتا وہ پردہ دیکھئے

جوشِ تمنا:-

رقصِ مستی دیکھئے جوشِ تمنا دیکھئے، — سامنے لاکر تجھے اپنا تماشا دیکھئے،

جذبِ عشق کا اثر:-

اشک اب نہیں تھمتے دل پہ اب نہیں قابو — خود کو آزما بیٹھے مجکو آزمانے سے،

حُسن کی لگاوٹ:-

پرورش پاتا ہے رگ رگ میں مذاقِ عاشقی — جلوہ پھر دکھلائے پھر مجھ سے پردہ کیجئے

التجاے جان نوازی:-

تبسم کی ادا سے زندگی بیدار ہو جائے — نظر سے چھیڑ دے رگ رگ مری ہشیار ہو جائے

مشاہدۂ جمال:-

بہار جلوۂ رنگین کا اب یہ عالم ہے — نظر کے سامنے حُسنِ نظر مجسم ہے،

عالمِ تحیر:-

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے — نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

نیرنگیِ حُسن:-

نظر اس حُسن پر ٹھہرے تو آخر کس طرح ٹھہرے — کبھی جو پھول بن جائے کبھی رخسار ہو جائے

قصورِ نظر:-

نظر وہ ہے کہ جو کون و مکاں کے پار ہو جائے — مگر جب روئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے

حُسنِ نظر:-

کھل گیا رنگِ حسیناں کھل گیا رنگِ چمن — کم سے کم اتنا نظر میں حسن پیدا کیجئے،

ذوقِ بندگی:-

تم اس کافر کا ذوقِ بندگی اب پوچھتے کیا ہو — جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے

بہارِ نقشِ پا پر سجدۂ نیاز:-

کیا بہار نقشِ پا ہے اے نیازِ عاشقی — لطف سر رکھنے میں کیا سر رکھ کے مر جانے میں ہے

بے قراری محبت:-

کسی طرح بھی تری یاد اب نہیں جاتی — یہ کیا ہے روزِ مسرت ہے یا شبِ غم ہے

انجامِ عشق:-

بیخودی میں دیکھتا ہوں بے نیازی کی ادا — کیا فنائے عاشقی خود عشق بن جانے میں ہے

حسن و عشق کا امتیاز پردۂ بیگانگی ہے:-

میں راز دارِ حسن ہوں تو راز دارِ عشق — لیکن یہ امتیاز بھی کیوں درمیاں رہے

نثارِ دوست:-

دونوں عالم تری نیرنگ ادائی کے نثار — اب کوئی چیز یہاں جیبِ محبت میں نہیں

تشبیہات:-

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی — یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

روشنی ہو جگنو کی جیسے شبستاں میں — وہ نقاب کا عالم اس کے مسکرانے سے

تصوّف کی اجمالی تاریخ

اور

اُس پر نقد و بحث

از مولانا عبدالسلام ندوی،

(۵)

وجد و سماع،

غنار کی مختلف قسمیں ہیں،

۱- حاجیوں کا گانا، جس میں زمزم، مقام اور خانۂ کعبہ کی مدح ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس کیساتھ طبل بھی بجاتے جاتے ہیں،

۲- مجاہدین کا رجز، جس سے جنگ کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے، اور فخر و شجاعت کے جذبات پیدا کئے جاتے ہیں،

۳- حدی خوانی، جس سے اونٹ میں نشاط پیدا ہوتا ہے،

۴- استقبال اور شادی بیاہ کے موقعوں پر گانا بجانا،

۵- زہریہ اشعار جنمیں آخرت کی ترغیب ہوتی ہو، اُسکے ساتھ گانا،

اور یہ تمام قسمیں مباح و جائز ہیں، اور جن ائمہ نے غنار کے جواز کا فتوی دیا ہے، اس سے اون کی مراد یہی قسمیں ہیں، لیکن ایسا گانا جس کے لئے مخصوص مغنی تیار کئے جائیں، اور اسمیں شراب و کباب اور حسینوں کے حسن و جمال کا ذکر ہو، اور خاص خاص باجوں کیساتھ گایا جائے، یقیناً ناجائز ہے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی، تو کانوں میں انگلیاں دے لیں، اور راستے سے الگ ہوگئے، اور فرمایا

کہ میں نے اس قسم کے موقع پر رسول اللہ صلعم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہو، رسول اللہ صلعم نے مغنیہ عورتوں کی خرید و فروخت اور ان کی تعلیم کی ممانعت فرمائی ہو، لیکن بعض صوفیہ غنا کیلئے اس قسم کی کنیزین رکھتے تھے، چنانچہ سعد ابن عبداللہ دمشقی نے اس قسم کی ایک کنیز خریدی جو صوفیہ کے سامنے قصائد گاتی تھی، ابو طالب مکی نے لکہا ہے، کہ قاضی مروان نے صوفیہ کیلئے اس قسم کی کنیزین رکھی تھیں، جو ان کو گانا سناتی تھیں،

حدیث کے علاوہ بہت سے بزرگانِ دین کے اقوال سے بھی اسکی حرمت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہو، کہ غنا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہو، جس طرح پانی سے گھاس اوگتی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے لڑکوں کے معلم کو لکھا تھا، کہ تمہاری تعلیم و تربیت سے یہ لوگ سب سے پہلے جس بات کو سیکھیں، وہ گانے بجانے کا بغض ہو، جسکی ابتدار شیطان سے ہوتی ہے، اور خدا کی ناراضی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہو، یزید بن ولید کا قول ہو، کہ اے بنو امیہ گانے بجانے سے احتراز کرو کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کو بڑھاتا ہو، مروت کو ڈھاتا ہے، اور شراب کا قائم مقام ہے، اور وہی اثر رکھتا ہے، جو نشہ کا ہوتا ہو، قدمار صوفیہ بھی مبتدی کو سماع کی اجازت نہیں دیتے تھے،

حضرت جنید بغدادی کا قول ہو، کہ جب تم مرید کو سماع کی حالت میں پاؤ، تو سمجھو کہ اسمیں لہو و لعب کا مادہ باقی ہو، لیکن متاخرین صوفیہ نے اسمیں اسقدر غلو کیا، کہ اسکو قرآن پر ترجیح دیدی، اور اس کے آگے اون کے نزدیک قرآن ایک بے اثر چیز ہوگیا، ایک شخص کا بیان ہو کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی سے ملنے کیلئے رَے کو روانہ ہوا، وہاں ان کا گھر پوچھتے پوچھتے پہنچا، تو وہ اپنی مسجد کے محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ایک شخص قرآن کھولے ہوئے بیٹھا ہوا تھا، وہ اسکو پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیکر وطن پوچھا، میں نے کہا بغداد سے حضور کی زیارت کیلئے آیا ہون، انھوں نے کہا کہ کچھ گانا بھی جانتے ہو، میں نے ایک عاشقانہ شعر پڑھا، تو انھوں نے قرآن مجید کو بند کر دیا، اور اسقدر روئے، کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہوگئے، محمد بن طاہر نے مروجہ غنار کی بہت سی باتیں احادیث سے ثابت کرنا چاہی ہیں، مثلاً رسول اللہ صلعم نے

ایک صحابی سے امیہ کے اشعار پڑھنے کی فرمایش کی، انھوں نے ایک شعر پڑھا، تو آپ نے فرمایا، "اور" اسطرح آپ فرمایش کرتے گئے، اور وہ پڑھتے گئے، یہان تک کہ سو شعر پڑھ ڈالے، اس سے محمد بن طاہر نے یہ استدلال کیا ہو، کہ قوال سے فرمایش کرنا سنت ہو، حالانکہ غنا اور شعر دو مختلف چیزین ہیں، اگر انگور کا شیرہ جائز ہے تو اوس سے شراب انگوری کا جواز کیونکر ثابت ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرت کعب بن زہیر رضؓ نے آپکے سامنے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھا، تو آپ نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی، ابن طاہر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ قوال کو انعام دینا اور اسکی عزت افزائی کرنا جائز ہے، حالانکہ قوال اور حضرت کعب بن زہیر کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہو،

سماع کے وقت صوفیہ پر اور بہت سی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، مثلاً وجد کرتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، ہائے و ہو کرتے ہیں، اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں رقص کرنے لگتے ہیں، اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب آیت "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ" نازل ہوئی، تو حضرت سلمان فارسیؓ چیخے اور چیخ کر سر کے بل گر پڑے، پھر اُٹھ کر بھاگے، اور تین دن تک دوڑتے رہے لیکن یہ حدیث بلا اسناد ہے، اور یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور حضرت سلمان فارسی رضؓ مدینہ میں اسلام لائے، عام صحابہ کی حالت صرف یہ تھی، کہ جب ان پر قرآن مجید یا رسول اللہ صلعم کے وعظ و پند کا اثر ہوتا تھا، تو روتے تھے، اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے اون لوگوں کا تذکرہ کیا گیا، جو قرأت کے وقت بیہوش ہو جاتے ہیں، تو انھون نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا، اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ رو پڑے، لیکن کوئی بیہوش ہو کر نہین گرا حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے، کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا جس سے آنکھیں ڈبڈبا گئین، اور دل دہل گئے،

حضرت اسماء رضؓ سے پوچھا گیا، کہ قرأت قرآن کے وقت صحابۂ کرام کی کیا حالت ہوتی تھی، ؟ تو فرمایا کہ وہی حالت ہوتی تھی جسکو خود قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے، یعنی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے، اور

رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، ان کو بتایا گیا کہ اب تو بہت سے لوگ اس موقع پر بیہوش ہو جاتے ہین، تو خدا سے پناہ مانگنے لگے، اہل عراق میں سے ایک شخص بیہوش ہو کر گرا ہوا تھا، حضرت ابن عمرؓ کا گذر ہوا، اور انھون نے اسکا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت اسکی یہی حالت ہو جاتی ہے، فرمایا کہ ہم لوگ بھی خدا سے ڈرتے ہین، لیکن بیہوش ہو کر گر نہیں پڑتے، بہت سے لوگ اسکو تصنع اور ریا سمجھتے تھے، محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اگر اس قسم کے لوگوں کو ایک دیوار پر بٹھا دیا جائے، پھر اول سے آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر یہ لوگ گر پڑین تو ان کو سچا سمجھنا چاہئے لیکن اگر اسکو خلوص کا نتیجہ تسلیم کر لیا جائے، تب بھی یہ قوت علم اور صحابہ و تابعین کی سنت کے خلاف ہو،

تالیان بجانا ثقاہت و متانت کے خلاف ہے، اور اس میں مشرکوں اور عورتوں کیساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، مشرکین کی نماز یہی تھی کہ سیٹی اور تالیان بجاتے تھے، اور خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید مین اسکی برائی بیان کی ہے،

رقص پر صوفیہ یہ استدلال کرتے ہین کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو حکم دیا تھا، کہ

ارکض برجلک   یعنی اپنے پاؤن کو زمین پر مارو،

لیکن اگر یہ حکم خوشی کی حالت میں دیا گیا ہوتا، تو دونون میں ایک قسم کی مشابہت بھی پیدا ہو جاتی حالانکہ ان کو یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اس طرح زمین سے پانی نکل آئے گا، ایک استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے "انت منی وانا منک" اور حضرت جعفر سے "اشبہت خلقی و خلقی" اور حضرت زیدؓ سے "انت اخونا و مولانا" کہا، تو یہ لوگ اترا کر چلنے لگے، اور حبشیون نے بھی آپ کے سامنے اسی قسم کی حرکت کی، حالانکہ خوشی کی حالت میں اترا کر چلنا، اور چیز ہے، اور رقص اور چیز، اسی طرح حبشیون کا چلنا بھی ایک خاص قسم کا چلنا تھا، جو جنگ کیلئے مخصوص تھا،

صوفیہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، کہ جب اون پر غنا کا سخت اثر ہوتا ہے، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کو کھینچ لیتے ہیں، اور اب اون کے مذہب میں اس کے لئے بیٹھنا جائز نہیں ہوتا، وہ کھڑا ہو جاتا ہے

تو اور لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی سر کھول دیتا ہے، تو سب سر کھول دیتے ہیں حالانکہ یہ تمام طریقے بظاہر مروت و ادب کے خلاف ہیں،

اس حالت میں اپنے کپڑے بھی مغنی پر پھینک دیتے ہیں، بعض لوگ صحیح و سالم اور بعض لوگ کپڑے پھاڑ کر پھینکتے ہیں، اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گو سالہ پرستی کی، اور ان کو اس کا صدمہ ہوا، تو انھوں نے تورات کی تختیاں پٹک دیں، اور وہ ٹوٹ گئیں لیکن قرآن مجید میں تو صرف تختیوں کے پٹک دینے کا ذکر ہے، ٹوٹنے کا نہیں، اور اگر ہو بھی، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ انھوں نے قصداً ان کو توڑ ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی از خود رفتگی، اور صوفیہ کی بیخودی میں بھی فرق ہے، یہ لوگ مغنی کو پہچانتے ہیں، اور اگر ان کے پاس کنواں ہو تو اس سے بچتے ہیں، ابن عقیل سے اس کا سوال کیا گیا، تو انھوں نے کہا کہ یہ ناجائز ہے، رسول اللہ صلعم نے مال کے ضائع کرنے اور گریبان کے پھاڑنے سے منع کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ از خود رفتگی کی حالت میں ایسا کرتے ہیں، تو بولے کہ جب ان کو یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں اس قسم کی از خود رفتگی پیدا ہو جاتی ہے، تو ان کو اس قسم کی مجلسوں ہی سے احتراز کرنا چاہیے،

توکل

حضرات صوفیہ کے نزدیک توکل کی جو حقیقت ہے، وہ ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو سکتی ہے، حضرت ابو سلیمان الدرانی کہتے ہیں، کہ اگر ہم خدا پر توکل کرتے، تو چوروں کے ڈر سے نہ دیوار بناتے، نہ گھر کا دروازہ بند کرتے، حضرت ابو یعقوب زیات سے توکل کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تو اون کے پاس ایک درہم تھا، اس کو الگ کر کے جواب دیا، اور فرمایا کہ مجھے شرم آئی، کہ تم کو جواب دوں اور میرے پاس کچھ ہو، حضرت ذو النون مصری فرماتے ہیں، کہ میں نے مدتوں سفر کیا، لیکن صرف ایک وقت میں نے صحیح طور پر توکل کیا، میں بحری سفر میں تھا، کہ جہاز ٹوٹ گیا اسلئے میں نے جہاز کی ایک لکڑی پکڑ لی، لیکن میرے دل نے کہا کہ اگر تمھارے ڈوبنے کے متعلق خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو یہ لکڑی تمکو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے،

اب میں لکڑی کو چھوڑ کر پانی پر تیرنے لگا، اور ساحل پر پہنچ گیا،

اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک مال و دولت، اور دوسرے مادی اسباب و ذرائع کے چھوڑ دینے کا نام توکل ہے، اسی لئے ان میں بہت سے لوگ کوئی پیشہ نہیں کرتے، یوسف بن حسین کا قول ہے کہ اگر کوئی مرید پیشہ کرتا ہے، تو یہ سمجھ لو کہ اس سے کچھ ہونے والا نہیں، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ تو دریوزہ گری پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ خانقاہ نشین ہو کر نذروں پر گذارہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ابو تراب اپنے اصحاب سے کہتے تھے، کہ تم میں جس نے گدڑی پہن لی، اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ گیا، اوس نے سوال کیا،

پیشہ کے چھوڑ دینے پر یہ لوگ متعدد استدلال کرتے تھے، ایک تو تقدیر کا بہانہ کہ جو روزی مقدر میں لکھی جا چکی ہے، وہ ہم تک ضرور پہنچیگی، دوسرے یہ کہ حلال روزی مل نہیں سکتی، اسلئے اسکی تلاش بیکار ہے، تیسرے یہ کہ پیشہ کرنے سے ظالموں اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہے،

لیکن یہ تمام باتیں قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہیں، قرآن مجید نے مال کو قوام کہا ہے، جس سے دنیا کا نظام قائم رہتا ہے، خدا نے فرمایا ہے کہ خذ واحذرکم یعنی اپنا بچاؤ کرو، نیز واعد والھم ما استطعتم من قوۃ، کفار کے لئے جو قوت بھی فراہم کر سکتے ہو، فراہم کرو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ نیک آدمی کے لئے اچھا مال کسقدر عمدہ چیز ہے، رسول اللہ صلعم نے حفاظت نفس کیلئے دو دو زرہیں پہنی ہیں، اور غار میں چھپے ہیں، اور ایک رات آپ نے فرمایا کہ آج میری حفاظت کون کرے گا آپنے گھر کے دروازہ کے بند کرنے کا بھی حکم دیا ہے، ایک شخص مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت مین آیا، آپنے اونٹنی کا حال پوچھا، تو اوس نے کہا کہ خدا پر توکل کر کے چھوڑ دیا، فرمایا کہ اسکو باندھ دو پھر توکل کرو،

تمام انبیا علیہم السلام اور صحابۂ کرام کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے،

حضرت نوح ؑ اور حضرت زکریا ؑ بڑھئی، اور حضرت ادریس ؑ درزی، اور حضرت صالح ؑ تاجر تھے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام چٹائی بنتے تھے، اور حضرت داوٗد زرہ بناتے تھے، اور حضرت موسیٰ ؑ حضرت شعیب اور خود رسول صلعم نے بکریاں چرائی ہیں،

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکر رض حضرت عثمان رض، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رض، حضرت طلحہ رض بزاز تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تیر بناتے تھے، اور حضرت عثمان بن طلحہ ؓ درزی تھے، اور تجارت و زراعت تو تمام صحابہ کا عام مشغلہ تھا، اور لوگوں کو کسب کی ترغیب دلایا کرتے تھے، حضرت عمر رض فرماتے تھے، کہ اے فقرار کے گروہ؛ سر اٹھاؤ راستہ کھلا ہوا ہے، فائدہ حاصل کرو، اور مسلمانون کے سہارے پر زندگی نہ بسر کرو، جب ان کو کوئی غلام پسند آتا تھا تو پوچھتے تھے، کہ یہ کوئی پیشہ کرتا ہے، اگر معلوم ہوتا کہ وہ بیکار رہتا ہے تو وہ ان کی نظر سے گرجاتا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک سب سے اچھا درہم وہ ہے، جو تجارت سے حاصل ہو، میں دوستوں کے صلے کو ناپسند کرتا ہون"، باقی رہا تقدیر کا بہانہ تو انسان دنیا میں احکام الٰہی کا پابند ہے، تقدیر کا نہیں، حلال وحرام کا فرق بھی شریعت نے ظاہر کردیا ہے، اسلئے وہ بھی کوئی عذر نہیں، اگر کسب و تجارت صرف اسلئے چھوڑ دیے جائیں، کہ ان سے ظالموں اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہو تو دنیا کے تمام پیشے بیکار ہو جائیں،

(باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد بی اے، دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اسکو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھاپا ہی، ضخامت ۲۴۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ، وصوفیانہ مباحث پر مشتمل ہی، قیمت عار

"منیجر"

تلخیص وتبصرہ

چین مین اسلام اور یورپین طاقتین،

معارف بابت ماہ جولائی میں اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی، ذیل میں اسکی دوسری قسط کی تلخیص درج ہے:-

اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک چین میں مسلمانون نے آسودگی اور خوشحالی سے زندگی بسر کی، حکومت نے ان کے لیے مسجدین تعمیر کین، اور ان کے ساتھ ہر طرح کی رواداری ملحوظ رکھی مسلمانون کے جذبات کا احترام حکومت کی نظرون میں اس طرح بڑھتا گیا کہ شہنشاہ یونگ چنگ ([illegible]) نے مسلمانون کی خاطر غیر مسلمانون کو سور پالنے سے منع کیا، اسی عہد کے شہنشاہ ہنگ دو ([illegible]) کے بارے میں مسلمان مورخین کا خیال ہو کہ اُس نے مذہب اسلام قبول کرلیا تھا، کیونکہ اوس نے ایک سوالنامہ نامی ایک رسالہ لکھا تھا، جسمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں درج تھیں، لیکن اہل چین اسلام کے اس روز افزون اقتدار سے خوفزدہ ہوگئے، اور مسلمانون کے مذہب، رسم و رواج، زبان، پوشاک اور روایات کو حسد اور رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے، اور مسلمانون کے بارے میں خفیہ طور پر شہنشاہ وقت تک شکایتیں پہنچانے لگے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک شاہی فرمان ۱۷۳۱ء میں جاری ہوا، جسمیں مسلمانون کے مذہب اور روایات سے حُسنِ ظن کا اظہار کیا گیا، اور اُن مسلم اعلیٰ حکام کی خدمات کی تعریف و توصیف کیگئی جو حکومت کے قوت بازو بنکر آڑے وقتوں میں کام آتے تھے غیر مسلم رعایا کو تلقین کی گئی کہ مسلمانون کو اپنی ہی طرح چین کے بہی خواہ اور ذمہ دار باشندے سمجھیں، اس فرمان سے شہنشاہ چین کی غیر جانب داری بالکل

عیان ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ باوجود تمام مخالفتون کے اسلام نے چین کی سرزمین میں بہت گہرا اثر پیدا کر لیا تھا، ابن بطوطہ جو چودھویں صدی کے وسط میں چین میں وارد ہوا، بیان کرتا ہے کہ تمام یونن (Yunnan) نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا اس خیال سے بہت ہی پرجوش خیر مقدم کیا گیا کہ وہ ایسے ملک سے آرہا تھا، جہان کے افق پر اسلام ظہور پذیر ہوا، وہ لکھتا ہے، کہ ہر قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی ہے، جہان عبادت کیلئے ان کی مسجدیں ہیں، اور وہ چینیوں میں خاص عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں،

چین میں اسلامی تبلیغی سرگرمیون کی ابتدائی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا لیکن موجودہ چینی مسلمانون کی آبادی اور شہرون اور قصبوں کی پرانی مسجدین اُن کی بارآور کوششوں کے عملی نتائج ہیں، صوبہ شانسی کے صدر مقام طےیوآن (Taiyuan) میں ایک ایسی مسجد موجود ہے جو سنہ ۱۹۱ھ (سنہ ۸۰۶ء (?)) میں تعمیر ہوئی، ذے کوآن (Szechuan) کے صدر مقام چنگتو (Chengtu) میں چین کی سب سے بڑی مسجد ہے، اس شہر میں مسلمانون نے اور بھی کئی مسجدین بنوائی ہیں، پکین سابق دارالسلطنت چین میں ۵۲ مسجدیں ہین،

اسلام شہروں اور قصبون میں پھیلتا رہا، یہودیوں کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوتی گئی، لیکن مسیحی مبلغون نے اہل چین کو اسلام کے خلاف ابھارنا شروع کیا، یہانتک کہ خانگ سی (Khawng Se (?)) کے حاکم نے سنہ ۱۶۹۳ء میں ایک اسلامی مبلغ کو گرفتار کر کے مسلمانون کی تبلیغی کوششوں کو بغاوت اور شورش کا مترادف قرار دیا، لیکن شہنشاہ چین نے حاکم کے اس رویہ پر ملامت کی، اور اسلامی مبلغ کو رہا کر دیا، اسطرح اگرچہ چین میں اسلام کے خلاف فضا پرآشوب ہوتی گئی، لیکن شہنشاہان چین اپنے رویہ میں روادار اور صلح کل رہے، شہنشاہ چائن لنگ (Chine Lung) (سنہ ۱۷۳۶ (?) تا سنہ ۱۷۹۶ء) نے تو یہانتک رواداری کا اظہار کیا کہ کلام پاک اور احادیث کے مجموعون اور اسلامی علوم

نون کی دوسری کتابوں کو امپیریل انسائیکلوپیڈیا (Emperial Encyc. of Four Store Houses (?)) کے ساتھ رکھنے کا حکم دیا، اٹھارھویں صدی کے آخر تک مسلمان عزت اور وقعت کیساتھ رہے، اور اسی حال میں مسلمان جنگ اور صلح دونون زمانون میں حکومت اور شہنشاہ کے حق میں اعلی خدمات انجام دیتے رہے، لیکن چانگ خاندان (سنہ ۱۶۴۴ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک) کی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کی طرف سے نظر التفات پھیر لی گئی، اور اوس کا سبب یورپین طاقتوں کا وہ رویہ ہے، جو اونھون نے چین کے متعلق اختیار کیا تھا،

اب تک چین میں یوروپین طاقتوں کا سیاسی اقتدار مطلقاً نہ تھا، بلکہ یوروپین مبلغون اور تاجرون کا قیام اہل چین کی عنایتون پر منحصر تھا، پرتگالیوں اور اون کے مذہبی پیشواؤں کو مکاؤ (Macao) سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی، پروٹسٹنٹ مبلغوں کا وہان سرے سے وجود نہ تھا، اہل برطانیہ کینٹن (Canton) کے حدود سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے تھے، دیوار چین روسیون کے راستوں مین حائل تھی، اور فرانسیسیون کا بھی کہیں نام نہ تھا، آخر کار ایک روسی پروفیسر چینی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اپنی حکومت کی طرف سے بھیجا گیا، اس نے اپنی روئداد مین چین کے مسلمانون کی روزافزون زیادتی میں یورپین تمدن کی بربادی اور تخریب کے عناصر تبلائے، اس نے یورپ کو اس خطرے سے یہ کہکر آگاہ کیا کہ ”اگر چین جہان بنی نوع انسان کی تہائی آبادی ہے، اسلامی سلطنت بن گیا، تو مشرق کی سیاست کی بساط ازسرنو بچھانی پڑے گی، اسلام کی دنیا جو جبل الطارق سے بحر منجمد تک پھیلی ہو گی، پھر عروج پذیر ہو گی، اسلام ایک بار پھر عیسائی دنیا کو معرض خطر اور ہلاکت میں ڈالدے گا، اور چین کا جمود دنیا کے بقیہ حصون کے لئے اسقدر منفعت بخش ہے ہنگامہ خیز مشغولیتون میں تبدیل ہو جائے گا“

روسی پروفیسر کی روئداد کا شائع ہونا تھا، کہ یوروپین طاقتوں میں ہلچل پڑ گئی، انگلستان سب سے پہلے آگے بڑھا، کینٹن میں برطانوی تجارت کی نگہبانی لارڈ نیپیر کے سپرد کی گئی، اہل چین افیون کی درآمد کو

قطعی طور سے بند کر دینا چاہتے تھے، لارڈ نیپر کو موقع ملا، اور تنازع کی ابتدا ہوئی، مگر یہ تنازع عملی صورت اختیار نہ کرنے پایا تھا، کہ لارڈ نیپر کا انتقال ہوگیا، اسکے بعد سر چارلس ایلیٹ کی تقرری ہوئی، سر چارلس نے حکومت چین کے ساتھ ایک مصالحت کی، جس سے چین مین افیون کی درآمد کو بند کرنے کا معاہدہ کیا گیا، مگر حکومت برطانیہ اسکو کب گوارا کرسکتی تھی، وہ ہندوستان کے افیون کی تجارت کو صرف فروغ ہی دینا نہ چاہتی تھی، بلکہ اس موقع کی تلاش میں تھی کہ چین کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرکے مسلمانون کی بیخ کنی کرے، سر چارلس ایلیٹ کو واپس طلب کرلیا گیا، اور ۱۸۴۰ء میں چینیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی گئی، برطانوی فوج نے کینٹن اور دوسرے شہرون پر قبضہ کرلیا، چینیوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرکے صلح کی، جس سے ہانگ کانگ اور دیگر چار بندرگاہ سلطنت برطانیہ کے قبضہ میں دیدئے گئے، اور ہانگ کانگ ایک بین الاقوامی بندرگاہ قرار دیا گیا، افیون کی درآمد پر کوئی امتناعی قانون عائد نہیں کیا گیا، واقعات اور دلچسپ ہوگئے، جب ایک عیسائی نے اعلان کیا کہ وہ خدا کی طرف سے مسلمانون کو چین سے نکالنے کے لئے بھیجا گیا ہے، اس نے آسمانی بادشاہ کا لقب اختیار کرکے اپنی حکومت قائم کی، سلطنت برطانیہ اس آسمانی بادشاہ کو حصول مقصد میں مدد دینے کے لئے آگے بڑھی، برطانیہ نے چینیون کے خلاف ۱۸۵۲ء مین جنگ کا اعلان کرکے کینٹن کا صوبہ پھر اپنے قبضہ میں کرلیا، اور عیسائی شہنشاہ کی حکومت کو جائز قرار دیا، فرانس کو بھی اس اثنا میں چینیون سے برسرپیکار ہونے کا موقع ملا، کوئی فرانسیسی مبلغ مارا گیا، پھر کیا تھا، برطانوی حکومت کے ساتھ ملکر فرانسیسیون نے چینیوں سے تاوان وصول کرنا چاہا، دونون کی متحدہ فوج ۱۸۶۰ء میں چین میں داخل ہوئی، اہل چین مقابلہ کی تاب نہ لاسکے، اور معاہدہ ہوا جسمیں عیسائی مبلغوں کو چین کے اندرونی حصوں میں تبلیغ کی کامل آزادی دی گئی، اور چینی فوج کی نگرانی برطانوی افسروں کے سپرد کی گئی،

روس کیون پیچھے رہتا، اوس نے بغیر کسی معقول عذر کے والدی واسٹک اپنے قبضہ مین کرلیا،

جرمنی بھی اس لوٹ میں خاموش نہیں بیٹھا، دو جرمن مبلغون کا قتل ہونا تھا کہ اہل جرمنی مملکت چین کے کچھ حصوں پر چڑھ دوڑے، اب یورپ کی تمام بڑی طاقتوں نے چین مین کچھ نہ کچھ اقتدار حاصل کرلیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک گوے سبقت لیجانا چاہتی ہے،

اسی اثنا میں عیسائی تبلیغی انجمنوں نے اسلام کے خلاف ہر طرح کی زہر افشانیاں کین، تبلیغ کے وقت عیسائی مبلغین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناملائم کلمات کہہ جاتے، اگر کوئی چینی مسلمان مشتعل ہو کر جواب میں کچھ کہہ دیتا یا ایک پتھر پھینک دیتا تو چینی فوجین جو یوروپین حکام کے ماتحت ہوتیں، فوراً قانون اور امن کے تحفظ کے بہانے طلب کرلیجاتین،

چینی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی لائق وزرا اور مشیر کار یا تو نکالدیئے گئے تھے، یا قتل کردیئے گئے تھے، حکومت کا نظام سلطنت ابتر ہوتا جارہا تھا، برسر اقتدار وزرا کی اخلاقی حالت پست ہوگئی تھی یوروپین طاقتین انکو اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھیں، اور ان کو رشوت دیکر مسلمانوں کے استیصال کی ہر ممکن کوشش کرتی تھیں، رفتہ رفتہ چینی اون کے زیر اثر ہوکر مسلمانون سے بالکل برگشتہ ہوگئے، انھیں یقین دلایا گیا کہ تاتاری اور چینی مسلمان ہر شورش اور بغاوت کے باعث ہیں، چنانچہ شہنشاہان چین جو اب تک مسلمانون کو جان نثار رعایا سمجھتے تھے، ان کو بدترین دشمن سمجھنے لگے، ان پر یہ خیال مسلط کیا گیا کہ چین اور شہنشاہان چین کی نجات اسی میں ہے کہ یہان سے مسلمانوں کی بالکل بیخ کنی کردی جائے، ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی، عنان حکومت شہنشاہ کے ہاتھ سے فوجی حکام کے ہاتھ میں چلی گئی، شہنشاہ اچ سین فنگ (Hsien Feng) اور احمق شہنشاہ، ٹی انگ چیہ (Y. ung Chih) کے زمانہ میں تو مسلمانوں کے قتل عام کا اعلان کر دیا گیا، ان وحشیانہ حرکات کی تکمیل میں یوروپین فوجی حکام نے ہر قسم کی مدد پہنچائی، سال بہ سال یوروپین فوجی حکام کے ماتحت ان صوبون میں جہان مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی، مسلمانون کے قتل اور غارتگری کے لئے فوجیں بھیجی جانے لگین، اور قتل، غارت، اور وحشیانہ مظالم ان پر برپا ہونے لگے،

ان ناقابلِ بیان مظالم کے دوران میں علمائے اسلام مسلمانوں کو صبر و سکون سے کام لینے کی تلقین کرتے رہے، وہ صرف مسلمانوں کو کسی محفوظ اور پرامن مقام میں ہجرت کرنے کی ہدایت کرتے، بسا اوقات مسلمان مدافعانہ جنگ کے لئے تیار ہوتے، تو وہ خدا اور رسول کا واسطہ دیکر انھیں باز رکھتے،

یورپین طاقتوں کی چیرہ دستیوں اور شہنشاہانِ چین کے مظالم سے چین میں ایک اندوہناک انقلاب برپا ہونے والا ہی تھا، کہ ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان کا اعلان ہوا، یورپین طاقتوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی، حکومتِ چین کو بھی ظالمانہ رویہ روکنا پڑا، مملکتِ چین معرضِ خطر میں پڑ گئی، اور چینی قوم ہلاکت کے ورطہ میں آگئی تھی، باوجودیکہ مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم ہوتے رہے تھے، لیکن انھوں نے اس قومی مصیبت میں شریک حال ہونے سے گریز نہیں کیا، وہ جوق کے جوق چینی جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہوگئے، اور جان و مال سے حکومتِ مانچو کی مدد کی، شانتنگ کے جنرل نی سو پاؤ کے اوئی (General Tso Pao Kui) اور کانسو (Kansu) کے جنرل مافیولیو (MAFU LU) اپنی کثیر التعداد مسلم فوجوں کے ساتھ میدانِ کارزار میں جان بحق ہوئے، اور کمانڈر این ٹی اچ سنگ (An Te Hsing) حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی تمام فوجوں کے ساتھ ہلاک ہوئے،

۱۹۱۲ء میں چین میں جمہوری حکومت قائم ہوئی، جنگِ عظیم کا آغاز اس کے بعد ہی ہوا، اب یورپین طاقتوں سے چینیوں نے نجات پائی، تو قومی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کرنے لگے، نئی حکومت کا آغاز ہونا تھا، کہ حالات میں بالکل تغیر پیدا ہوگیا، مسلمانوں سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ قطعی طور سے دور کر دیا گیا، آپس کے تفرقے دور ہوگئے، اور مسلمانوں کو حکومت کا ہاتھ بٹانے کی دعوت دی گئی، چنانچہ اب مسلمان وزیر، گورنر، فوجی حکام، اور حکومت کے کابینہ کے اراکین ہیں، مسلمانوں نے اب اپنے ابتدائی اور اعلیٰ مدارس، کالج، شفاخانے، اور کتب خانے باضابطہ قائم کرلئے ہیں، شانگھائی میں انکے

اعلیٰ معیار کے ابتدائی مدارس قائم ہیں، چنگ جنگ میں اب ان کا ایک اسلامیہ ہائی اسکول بھی ہے، اب انکے کئی موقر رسالے بھی شائع ہوا کرتے ہیں، مثلاً نور اسلام، نور محمد یواچ و امیگز ین شمالی چین سے نکلتے ہیں، جنوبی چین سے اسلامی جرس انسانیت اور شنگھائی سے اسلامک ریویو شائع ہوتے ہیں، اور دو اسلامی روزنامے بھی ہیں، ایک ٹینٹسن سے اور دوسرا شن یانگ سے نکلتا ہے، اسلامی تنظیم کے بیسیوں ادارے ہیں، ان میں اکثر کلام پاک اور احادیث کے ترجمے چینی زبان میں شائع کر رہے ہیں، اور اب ہر ممکن صورت سے مسلمان چین میں اسلام کی فوقیت اور برتری برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں،

"ص ع"

زلزلہ پر سیاروں کے اثرات

سائنس، ارضیات، اور ہیئت کے ماہرین نے زلزلہ کے اسباب کے متعلق مختلف نظریے قائم کئے ہیں، بعض ماہرینِ سائنس کا خیال ہے کہ زلزلے اکثر زمین کی تہ کی ناقص ساخت کے سبب واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ہندوستان میں جو زلزلے آئے، ان کا سبب ایک ہندوستانی ماہرِ سائنس یہ بتاتا ہے، کہ ہمالیہ کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں، جس سے ان کا وزن نسبتہً ہلکا ہوگیا ہے، اور وہ زمین کی اندرونی تہ پر اپنا توازن قائم کرنا چاہتا ہے، اسی کے اثر سے زمین میں جنبش پیدا ہوجاتی ہے، اور جو کبھی اتنی تیز ہوتی ہے، کہ اسکے اثر سے ایک وسیع آبادی تباہ و برباد ہوجاتی ہے، اسی طرح فضا کی تموجی کیفیت اور مقناطیسی قوت کے دباؤ، سمندروں کی طغیانی کے دھکوں اور سطحِ زمین کی تہ کے شق ہوجانے سے بھی زلزلے آتے ہیں، لیکن سچ یہ ہے، کہ اس سلسلہ میں ماہرینِ سائنس اور ارضیات کے معلومات اب تک نہایت محدود ہیں، موجودہ زمانہ کے سائنسدان زلزلہ کی آمد سے قبل اسکی خبر نہیں دے سکتے، وہ انہی اصولوں سے واقف ہیں، جو ارسطو نے سنہ ۳۲۲ قبل مسیح اور بطلیموس نے ۱۴۳ء میں قائم کرکے زلزلے کے وقت اور مقامات کو قبل از وقت وقوع جاننے کی کوشش کی ہے، ارسطو اور بطلیموس کے قوانین موجودہ زمانہ کے ارضیات، شہابیات، طبعیات اور اسی قسم کے دوسرے علوم سائنس کے اصولوں پر قائم نہیں، بلکہ علم ہیئت اور نجوم کے مجموعی اصولوں پر مبنی ہیں، ان کا خیال ہے کہ زمین کے اجزا

اور اوسکی فضائی حالت پر سماوی اور کائناتی اثرات سمندر کی گہرائیوں سے نہیں بلکہ عالم بالا سے ظہور پذیر ہوتے ہیں،

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زلزلے کے جھٹکوں میں مقناطیسی سوئیاں غلط سمت بدل لیتی ہیں، گھڑیاں بند ہو جاتی ہیں، ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ زمین کی مقناطیسی قوت میں بجلی کی فراوانی سے ہلچل پڑ جاتی ہے، بعض زلزلے آندھی، بجلی، اولے اور بارش کے بعد آتے ہیں، اور یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ افقی اور انتصابی جھٹکوں کے علاوہ چکری جھٹکے (WHIRLING SHOCKS) بھی آتے ہیں، جو تمام عمارتوں کو پست کر دیتے ہیں، اسلئے علم ہیئت کا یہ نظریہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بجلی کی (FELLURIC) لہر جو آفتاب ماہتاب اور دوسرے سیاروں کے اضافی مقامات سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ صرف برقی لہر زلزلہ کی تباہ کن بربادیوں کا سبب ہوتی ہے بطلیموس نے دوسری صدی ہجری میں لکھا تھا، کہ "تمام سیاروں میں زمین سے سب سے زیادہ قریب ماہتاب ہے، اور ارضی چیزوں میں اس کا اثر سب سے زیادہ قابل قبول ہے، اسکی ضیا پاشی کے اثر سے دریاؤں میں مد و جزر ہوتا ہے، سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں، اسی طرح پودوں اور جانوروں کے نشو و نما یا تنزل پر بھی اس کا اثر پہنچتا ہے، سفریل (SEPHARIAL) جو علم ہیئت اور سائنس کا بہت بڑا ماہر ہے، لکھتا ہے، کہ ہمیں یہ خیال کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ وہ قوت جو پانی کی ایک موٹی تہ کو چند گھنٹوں میں کئی فیٹ اونچا لیجاتی ہو، وہ زمین کے سیال اجزا پر اپنا عمل کیوں نہیں کر سکتی، گرہن کے سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے، کہ آفتاب کا تاریکی میں چھپ جانا اور شعاعوں کا بالکل مفقود ہو جانا حرارت کے دفعۃً سرعت سے کم ہو جانے کا سبب ہوتا ہے، اور پھر کائنات کو اپنی اصلی حالت پر لانے کیلئے زمین کی اندرونی تہ سے گرمی اوپر کی طرف جاتی ہے، لیکن زمین کی تہ کا کوئی حصہ آتش فشانی فعل یا کسی اور وجہ سے کمزور ہو گیا ہو، تو حرارت کے دباؤ کی کثرت سے زمین میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے،

زلزلوں کی گذشتہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ کثیر التعداد زلزلے ایسے ہیں، جن کے قبل

یا بعد آفتاب یا ماہتاب میں گرہن ضرور لگے، بعض زلزلے ایسے وقت میں آئے، جب ماہتاب اور زمین کے درمیان انتہائی فاصلہ ہو گیا تھا، بہت کم زلزلے ایسے ہوتے ہیں جن کے قبل یا بعد کوئی گرہن ہی نہ لگا ہو،

اگر اس قانون کو حقیقت سمجھکر ہم تسلیم کر لیں تو پھر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سال میں کم از کم دو بار زلزلہ کا آنا ضروری ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ سیاروں کی جگہیں ہر سال بدلتی رہتی ہیں، لیکن جب کبھی گرہن ہو تو یہ یقین کر لینا چاہئے کہ کائنات میں کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا ہے، یورانس، نیپچون، زحل، مشتری اور مریخ جب متصل یا مخالف سمتوں میں یا مستطیل ہوں خصوصاً گرہن کے وقت تو بس کسی مہلک خطرہ کے لئے تیار رہنا چاہئے،

اس تھوڑی سی وضاحت کے بعد ہم گذشتہ زلزلوں پر تبصرہ کریں گے، اور اون نجومیوں کے نام بتائیں گے، جنھوں نے قبل از وقوع زلزلوں کی پیشگوئیاں کر دی تھیں،

سنہ۱۷۸۳ء میں کلبیریا میں ایسا زلزلہ آیا کہ چالیس ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے، اس زلزلہ کے وقت جدی میں زحل اور مشتری یورانس کے مخالف سمت پر اور نیپچون کے ساتھ میزان میں مستطیل تھے، اسی لئے سیاروں کے اثرات میں شدت تھی، سنہ۱۹۵۳ء (۵؍جولائی) میں کمایا میں زلزلہ سے ۳۰۰ آدمی ہلاک ہوئے، اسی سال ۲۰؍جون کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، زحل اور یورانس ثور میں تھے، جو زلزلہ کی لازمی پہچان ہے، مشتری، قوس الرامی میں گرہن کی ڈگری کی مخالف سمت پر تھا، مریخ اس دن اس ڈگری سے گذر رہا تھا، ایک سال قبل کمانڈر موریسن نے اس زلزلہ کی پیشگوئی کی تھی، ۱۵؍اگست ۱۹۶۰ء میں جنوبی امریکہ کے بہت سے شہر اور قصبے زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو گئے، یہاں تک کہ جھرنے بھی خشک ہو گئے، اسی سال ۲۴؍فروری کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، آفتاب، ماہتاب، مشتری اور مریخ برج حوت میں تھے، آفتاب اور ماہتاب زحل سے ۹ ڈگری، اور اسی طرح زہرہ بھی یورانس سے ۹۰ ڈگری کے فاصلہ پر تھا، زلزلہ کے روز آفتاب مریخ

اور ماہتاب کی مخالف ڈگری سے گذر رہا تھا، اور ماہتاب مریخ سے متصل تھا، کمانڈر مورلیسن اور پیرس نے اس کی پیشنگوئی کی، ۳۰ اپریل ۱۸۱۸ء میں کیوس (ارکی پلاگو) میں زلزلہ کے باعث پانچ ہزار آدمی مرے زحل اور مشتری برج ثور میں تھے، ۱۲ جون ۱۸۴۰ء میں آرمینیہ میں ۳۴۰ گاؤں تودہ خاک بن گئے، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچون سب کے سب ثور میں تھے، اسی طرح اور بھی کثرت سے مثالیں ہیں جو طوالت کے خیال سے نظرانداز کر دی جاتی ہیں، صوبہ بہار میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو جو زلزلہ آیا، وہ واقعی قیامت خیز تھا، چاند کا پہلا دن تھا آفتاب اور مریخ ساتھ تھے، لیکن یورانس اور مشتری کے ساتھ مستطیل تھے نیپچون مشتری اور یورانس بالمقابل تھے، اور اسی طرح ماہتاب، مریخ اور زحل تھے، سیاروں کا اس قسم کا اجتماع بہت کم دیکھنے میں آیا ہے، اور اسکے اثرات جتنے بھی زیادہ مہلک ہوتے کم تھا،

"ص ع"

عرب کی موجودہ حکومتیں

یہ عجیب بات ہے کہ جزیرۃ العرب کیساتھ مذہبی تعلق وعقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد وحجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اسلئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد وحجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی تسعہ بحرین، کویت اور فلسطین وشام کے مختصر جامع حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت عہر

خیّام

خیام کے سوانح، تصنیفات، اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی وفارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اسکے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت وطباعت وکاغذ اعلیٰ قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

روس کی بازگشت

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی اطلاع ہے کہ روس میں بالشیوک نظام کے قائم ہونے پر تمدن اور مذہب کی پابندیوں کے خلاف جو برگشتگی پھیل گئی تھی، اسمیں اب نمایاں طور پر تخفیف نظر آرہی ہے، پہلے ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ آج نکاح کرے، اور کل ہی طلاق دیکر دوسری بیوی گھر میں لائے، لیکن اب طلاق کی اس آزادی پر کچھ قیود بھی عاید کر دیئے گئے ہیں، بالشیوک نظام نے خانگی زندگی کو بالکل برباد کر دیا تھا، مگر اب یہ حقیقت از سر نو دریافت ہو رہی ہے کہ مہذب اور متمدن سوسائٹی کی بنیاد ہی خانگی زندگی پر ہے، ابھی حال تک ان بچوں کو انعام دیا جاتا تھا جو اپنے والدین کی سیاسی اور تمدنی غلط روی سے حکومت کو مطلع کر دیتے تھے، لیکن اب انھیں والدین کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے احترام کی تعلیم دی جارہی ہے، مدرسوں میں بھی بچوں کی تربیت پر خاص طور سے زور دیا جارہا ہے اور حکم ہوا ہے کہ اُن کی تعلیمی حالت کی اطلاع ان کے گھر والوں کو بھی برابر دیجاتی رہے، مذہب کی دشمنی میں بھی خاصی کمی ہو گئی ہے، چنانچہ گذشتہ ایسٹر کی تقریب میں گرجے بھرے ہوئے تھے اور لوگ حسب دستور قدیم ایک دوسرے سے مذہبی جوش کے ساتھ ملتے جلتے تھے، یہ صحیح ہے کہ اس موقعہ پر چند ایسے رسالے بھی تقسیم کئے گئے جنمیں لوگوں کو گرجوں میں جانے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن حکومت کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی اور نہ سرکاری اعلانات میں جو ریڈیو کے ذریعہ شائع ہوئے کوئی بات مذہب کے خلاف پائی گئی، حالانکہ پہلے ہر اعلان میں مذہب کی مخالفت کا عنصر ضرور شامل ہوتا تھا، روس

کی اس بازگشت کی تصدیق وہاں کے ایک اشتمالی رسالہ پراوڈا (Pravda) سے بھی ہوتی ہے
وہ لکھتا ہے:- "سوشلسٹ خاندان کی تمام تر بنیاد محبت پر قائم ہے، اس کے بغیر خاندان کا وجود باقی نہیں
رہ سکتا، نوجوان اشتمالیوں (کمیونسٹ Communists) میں اس جذبہ کا ہونا بہت ضروری ہے، جو لوگ
اس جذبہ کی اہلیت نہیں رکھتے وہ خودغرض اور منفعت خور ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ رائے عامہ ان کا پیچھا کرے اور
انھیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنائے"۔ یہ بیان اس سابق نظریہ کے بالکل مخالف ہے جس کے رو سے اشتمالی
نظام میں خاندان کی کوئی اہمیت نہ تھی، تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ طلاق کی آسانی ایک طرف خاندان
کی مرکزیت کو ختم کر دیتی ہے اور دوسری طرف اوسط پیدائش میں بھی تخفیف ہونے لگتی ہے، اسکی اصلاح
کے لئے رسالہ مذکور کا ایک مقالہ نگار لکھتا ہے:- "ہر لڑکی کی قدر و عزت نہ صرف اس وجہ سے کرنی چاہئے کہ وہ
ایک انجنیر ہوگی، بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ آیندہ وہ ایک ماں ہوگی، ایک بچے کی ماں کی عزت اس حیثیت
سے کرنی چاہئے کہ وہ آٹھ بچوں کی ماں ہونے والی ہے،

سائنس کی ایک جدید تحقیق،

نیویارک (امریکہ) کے ایک ماہر انکشافات جرائم جان او کانل (John J. O. Connell)
نے اسٹاک ہوم (سویڈن) کے ایک ماہر ڈاکٹر سوڈرمین (Dr. Söderman) کی مدد سے
انگوٹھے کے نشانوں کے متعلق ایک نئی تحقیق کی ہے، جسے انھوں نے حال میں شائع کر دیا ہے، اس کے
رو سے اگر انگوٹھے میں کوئی چیز نہ بھی لگی ہو تب بھی اس کے نشانات معلوم کئے جا سکتے ہیں، ماہرین مذکور نے اپنی
تحقیق کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسامات سے جو پسینہ خارج ہوتا ہے اس سے انگلی کے سرے پر ایک قسم
کی دہنیت آجاتی ہے، لہذا جس چیز پر انگلی پڑتی ہے، اس پر ایک نہایت باریک جھلی جم جاتی ہے، مسامات سے
نکل کر جو چیز انگلی کے سرے پر آتی ہے اس میں (۹۸٫۵) سے لیکر (۹۹٫۵) تک پانی اور (۰٫۵) سے لیکر (۱٫۵)
تک ٹھوس مواد ہوتا ہے، اس ٹھوس مواد میں تقریباً ایک ثلث غیر نامیاتی مادہ (Inorganic matter)

ہوتا ہے جو عموماً نمک ہوتا ہے، اسی نمک کی وجہ سے انگلی کے نشانات قائم ہو جاتے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ دکھائی
نہیں دیتے، جس چیز پر انسان کا ہاتھ پڑتا ہے اگر اسے دس فی صدی سلور نائٹریٹ (Silver nitrat)
کے محلول میں ڈالدیں تو نمک کی ننھی ننھی قلمیں سلور کلورائڈ (Silver Chlorid) بنجاتی ہیں، آفتاب
کی شعاعوں یا کسی تیز مصنوعی روشنی کی طرف رکھنے سے سلور کلورائڈ کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے اور نشانات ظاہر
ہو جاتے ہیں، اس وقت اُن کی تصویر آسانی سے لیجا سکتی ہے، مسٹر او کانل نے اس تحقیق کا تجربہ کر کے دکھا بھی
دیا، انھوں نے ایک سوتی رومال پر آہستہ سے اپنا انگوٹھا دبایا اور پھر اس رومال کو شیشہ کی ایک کشتی میں ڈبو دیا
جس میں دس فی صدی سلور نائٹریٹ اور نوے فی صدی کشید کئے ہوئے پانی کا محلول تھا، ایک ہی منٹ
کے بعد رومال کو کشتی سے نکال لیا اور ایک تیز برقی لمپ کے سامنے رکھا جس سے الٹرا وایولٹ شعاعیں نکلتی
تھیں، پانچ منٹ کے اندر انگوٹھے کے نشانات نظر آنے لگے،

آنکھوں کی غمازی،

نیویارک ہی کے ایک سابق پولیس کمشنر نے جن کا نام کارلٹن سائمن (Dr Carleton
Simon) ہے سراغ رسانی کا ایک عجیب و غریب طریقہ دریافت کیا ہے جو مجرموں کے لئے مذکورۂ
بالا تحقیق سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے، انسان کی آنکھ کے پیچھے پردہ شبکیہ کے دوسری جانب اعصاب
اور شریان کا ایک خوشنما نقشہ ہوتا ہے، انگلیوں کے نشان کی طرح یہ نقشہ بھی ہر شخص کی آنکھ میں مختلف
ہوتا ہے، اور اگر کسی مرض کے باعث اس میں تغیر نہ ہو تو تمام عمر یکساں رہتا ہے، ڈاکٹر سائمن نے یہ تجویز
پیش کی ہے کہ آیندہ مجرموں کی گرفتاری میں انگلیوں کے نشان کے علاوہ آنکھ کے اس نقشہ سے بھی مدد
لیجائے، بڑے بڑے عادی مجرم پولیس کو دھوکا دینے کی غرض سے یہ تو کر سکتے ہیں کہ اپنے انگوٹھوں
پر عمل جراحی کر کے ان کے نشانات بدل ڈالیں مگر آنکھ جیسی نازک چیز پر وہ اس قسم کا عمل مشکل ہی سے
کر سکیں گے، پردہ شبکیہ کی تصویر ایک خاص قسم کے کیمرے سے لیجا سکتی ہے جو ابتک صرف امراض چشم کی تشخیص میں استعمال ہوتا تھا،

کرۂ سماوی کی تقسیم

بین الاقوامی انجمن ہیئت (International Astromical Union) کا پانچواں اجلاس گذشتہ جولائی میں پیرس میں منعقد ہوا تھا، جسمیں پچیس قوموں کے بڑے بڑے ہیئت داں شریک تھے، اس مجلس کا مقصد ہیئت میں بین الاقوامی سوالات کو ترقی دینا تھا، چنانچہ ارکین مجلس نے کرۂ سماوی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسمیں تقسیم کرلیا ہے، تاکہ باہمی تعاون کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا جائے، علاوہ بریں ۱۹ جون ۱۹۳۶ء کو آفتاب میں جو پورا گرہن لگنے والا ہے اور جو شمالی افریقہ، یورپ (باستثنائے اسپین) گرین لینڈ، نیو فونڈ لینڈ، کنڈا، اور الاسکا میں دکھائی دیگا، اس کے مطالعہ کے لئے بھی تجویزیں مرتب کرلی گئی ہیں، اس انجمن میں سوویٹ روس کے ہیئت دان پہلی بار شریک ہوئے ہیں، ان کی پیش کردہ تجویز کے مطابق نجوم متغیرہ کے مطالعہ وتحقیق کے لئے کرۂ سماوی کے چوالیس ۴۴ خطے منتخب کرلئے گئے ہیں، اس انجمن نے ایک اہم سفارش یہ بھی کی ہے کہ آیندہ بین الاقوامی ضرورتوں کے لئے گرین وچ کے وقت (Greenwich mean Time) کو چھوڑ کر مطلق وقت (Universal Time) کو اختیار کرلیا جائے، مطلق وقت جو بعض یورپین ممالک میں پہلے سے رائج ہے، نصف شب سے شروع ہوتا ہے، اور اسکے گھنٹوں کا شمار ایک سے چوبیس ۲۴ تک ہوتا ہے۔

مجلس امداد علمی کی کارگذاری،

موجودہ جرمن حکومت کی نسلی عصبیت سے جرمن یونیورسٹیوں کے تیرہ سو ۱۳۰۰ اساتذہ غیر آرین ہونے کی بنا پر برطرف کردیئے گئے تھے، انمیں سے تقریبًا ۶۵۰ اساتذہ جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلے گئے، انکی امداد کیلئے ایک مجلس علمی (Academic Assistance Council.) قائم کیگئی تھی جسکا صدر دفتر لندن میں ہے، اس مجلس کی دوسری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی سے باہر چلے جانے والوں میں سے ۲۰۷ آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں پھر مستقل جگہیں ملگئی ہیں اور ۳۳۶ آدمیوں کو وظائف دیئے جارہے ہیں، تاکہ وہ اپنی تحقیق کو جاری رکھ سکیں مجلس مذکور کی سرگرمیاں صرف برطانیہ ہی تک محدود نہیں ہیں جہاں اُسنے گذشتہ سال عارضی وظیفوں کیلئے چوبیس ہزار پونڈ حاصل کئے تھے بلکہ وہ دوسرے ملکوں کو بھی اس کام میں شریک کررہی ہے،

ادبیات

آبِ حیات،

از حکیم الشعراء سید احمد حسین امجد، حیدرآبادی،

آفت ہے آئے دن طلبِ ملک و مال میں | راحت ہو دو جہاں کی، ترکِ سوال میں

جھکتا نہیں ہے بدر کبھی مثل ماہِ نو | کیا شان ہے کمال کی، اہل کمال میں

میں، خاک ہو کے، خاکِ رہِ یار ہو گیا | حاصل ہوا کمال، کمالِ زوال میں

کہتے ہیں، وہ بلند ہے وہم و خیال سے | یہ بھی ہے اک خیال، ہمارے خیال میں

دیکھو خدا کی شان، وہ آئے ہیں میرے گھر | جو آج تک نہ آئے کسی کے خیال میں

اُن کا غضب بھی، موجبِ اصلاحِ حال ہے | ہوتی نہیں تمیز، جلال و جمال میں

وہ، آنے والے ہجر کے جھگڑوں سے بچگیا | جس زندہ دل نے جان دیدی وصال میں

جب تک رہا فراق، رہی انکی جستجو | اب ہیں، کہ خود کو ڈھونڈھ رہے ہیں وصال میں

دیکھو نہ کم نگاہی سے امجد فقیر کو | آبِ حیات ہے اسی جامِ سفال میں

کلامِ کیفی،

از جناب کیفی چریا کوٹی،

ہوئی تھیں پست جس دم ہمتیں جوشِ اسیراں کی | ستم دیکھو کہ اونچی ہوگئی دیوار زنداں کی

عدم کہتے ہیں جس کو صورتِ خوابِ پریشاں ہو | یہ ہستی کچھ نہیں تعبیر ہے خوابِ پریشاں کی

بہارِ دلکشا کھولے گی، بلبل نغمہ خواں ہوگی | کلی کے ہر ورق میں داستانیں ہیں گلستاں کی

مزا آیا ہے ان کو چھیڑنے کا صحنِ گلشن میں
اڑا جیب رنگِ رخ، رنگت نکھر آئی گلستاں کی

خدارا مطربِ لذت نوا تو اس کو چھیڑے جا
ترے نغمے سے اب ملنے لگی جنبش رگِ جاں کی

نقابِ رخ جو الٹی ہے تو تابِ عقل حیراں ہے
کہ تم خود ہو کہ طرزِ دید ہے یہ چشم حیراں کی

بگولا بنگئی سرگشتگیٔ بخت سے آخر
مری مٹی میں مل سکتی نہیں مٹی بیاباں کی

بڑا دستِ زلیخا میں وہ دامن کی رسائی تھی
لگا ہے ہاتھ دیوانے کے یہ قسمت گریباں کی

خدا چاہے اگر، اپنی سیہ بختی میں کام آئے
یہی دھندلی سی دل میں روشنی داغِ عزیزاں کی

الٰہی خیر ہو دم کی، بہائے جائیں گی دل کو
ادائیں وہ جو موجیں ہیں تبسمہائے پنہاں کی

نظر آیا نہ روزِ وعدۂ دیدار بھی مجھ کو
سیاہی تھی مری آنکھوں میں ایسی شامِ ہجراں کی

تصور کی بھی دنیا خاک ہو جانے کو ہے جل کر
کہ لو اونچی ہوئی جاتی ہے شمعِ بزمِ امکاں کی

جو موجوں میں پھنسے ہیں آکے وہ اس کو سمجھتے ہیں
حبابِ بحر بھی ہے ایک صورت جوشِ طوفاں کی

میں بیٹھا ہوں جہاں تھک کر سمجھ میں آگیا کیفی
مری درماندگی سے اصل وسعت ہے بیاباں کی

رباعیاتِ اثرؔ

(از جناب عبدالسمیع پال صاحب اثرؔ صہبائی وکیل سیالکوٹ)

سیلابِ ہوس کیا ہے؟ محبت کیا ہے؟!
ہنگامۂ عشق، داغِ حسرت کیا ہے!
اک عمر ہمیں رہی حقیقت کی تلاش
معلوم نہ ہو سکا حقیقت کیا ہے!

اے کاش میں نورِ پاکِ یزداں ہوتا!
یا نارِ ہی نارِ مثلِ شیطاں ہوتا
یزداں سے خجل ہوں، اہرمن سے منفور
کچھ بھی ہوتا مگر نہ انساں ہوتا!

یہ بحرِ وجود کی روانی کیا ہے!
یہ موت و حیات کی کہانی کیا ہے!
غمہا و نشاطِ دہر ہیں نقش بر آب
سب کچھ فانی ہے، غیر فانی کیا ہے،

بَابُ التَّقْرِیْظِ وَالْاِنْتِقَاد

شرحِ دیوانِ مومن

مرتبہ

جناب مولوی ضیا احمد صاحب ایم اے، بدایونی لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ۲۰۴ صفحات قیمت ؏

اردو شعرا میں مومن و غالب صرف دو شاعر ہیں جنکے کلام کو نازکخیالی اور بلند پروازی نے اسقدر دقیق اور مشکل کردیا ہے کہ اونکا سمجھنا عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے، لیکن اب تک زیادہ تر شرحیں صرف دیوانِ غالب کی لکھی گئی ہیں، مومن کے کلام کی طرف کسی نے اس حیثیت سے توجہ نہیں کی تھی، جناب ضیا احمد ضیا ایم اے، بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ اونھوں نے سب سے پہلے اردو زبان کی یہ اہم خدمت انجام دی ہے، اور دیوانِ مومن کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن مع شرح کے شائع کیا ہے،

اس دیوان میں سب سے پہلے ایک مختصر سا تعارف ڈاکٹر سید محمد حفیظ ایم اے، پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ کا ہے، اس کے بعد شارح نے "سخنہائے گفتنی" کے عنوان سے اس شرح کی ضرورت ثابت کی ہے، اور جس کد و کاوش سے اس نئے اڈیشن کو مرتب کیا ہے، اسکی تفصیل کی ہے، اس کے بعد اُن تمام غلطیوں کی ایک فہرست دی ہے، جو دیوان مومن کے متداول نسخوں میں پائی جاتی ہیں پھر مقدمہ کے عنوان سے مومن کے حالات اور ان کے تمام اصنافِ کلام پر مفصل تنقید کی ہے، پھر ان اعتراضوں کو دور کیا ہے، جو مومن پر کئے جاتے ہیں، اور معاصرین سے ان کا موازنہ کیا ہے، اور آخر میں مومن کے متعلق دورِ جدید کے نقادوں کی رائیں

لکھی ہیں، مقدمہ میں یہ بحثیں سیر حاصل ہیں، ان سب کے بعد دیوان مومن کی شرح شروع ہوتی ہے،
شرح صرف مشکل اشعار کی گئی ہے، متعدد معانی کی صورت میں زیادہ تر ایک اور کمتر دو معنیوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ اس معنی کو ترجیح دی گئی ہے، جو طرز مومن سے اقرب تھا، اطناب و ایجاز سے اجتناب کیا گیا ہے، اور صنائع کے بیان میں ہر جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے،

اس میں شبہہ نہیں کہ اس شرح سے دیوان مومن کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، بالخصوص مومن کے بہت سے اشعار داخلِ نصاب بھی ہیں، اسلئے غریب مدرسوں کو ان کے سمجھنے اور سمجھانے میں اس سے اور بھی مدد ملیگی لیکن بعض اشعار کی شرح میں ہمکو شارح سے اتفاق نہیں ہے، مثلاً مومن کے اس شعر،

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھکر　　　طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھکر

کی یہ شرح کی گئی ہے، کہ "معشوق صبح وصل رخصت ہو رہا تھا، مگر ہمیں بے تاب دیکھکر رک گیا، گویا ہمارے نصیب سو رہے تھے، جاگ اُٹھے" معشوق کی تیاری رخصت کو اپنی خفتہ طالعی، اور رک جانے کو طالع کی بیداری سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ خواب دیکھنا سونے کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں ہے، بلکہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے رخصت ہونے سے ہمارے نصیب سو گئے تھے، لیکن خلاف توقع ہم کو بے تاب دیکھکر اس کا رک جانا گویا ایک خواب تھا، اور چونکہ انسان خواب دیکھکر اکثر چونک پڑتا ہے، اسلئے ہماری قسمت بھی اس خواب کو دیکھکر چونک پڑی، حاصل مطلب دونوں کا ایک ہے، مگر ہم نے جو مطلب بیان کیا ہے، وہ شاعرانہ لطافت کیساتھ بالکل محاورہ کے مطابق ہے،

مومن کا ایک اور شعر ہے:۔

سدِ راہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار　　　کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے

جس کا مطلب شارح نے یہ بیان کیا ہے، کہ تیرے دل میں یاد اغیار ہے، جس کے باعث مجھے غیرت آتی ہے، یہ غیرت اس حد تک سدِ راہ نہیں کہ میرا خیال تیرے دل میں گذر کر سکے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر یعنی

غیرت اسقدر مانع ہے کہ میرا خیال تیرے دل میں جاتے ہوئے تامل کرتا ہے حالانکہ زبان و محاورہ کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرے دل میں اغیار کی جو یاد ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ میرا خیال تیرے دل میں اس غیرت سے نہ جاتا با ایں ہمہ میں نے تھوڑی سی بے غیرتی اختیار کر لی ہے، اس لئے یہ غیرت تیرے دل میں میرے خیال کے آنے کے لئے کچھ بہت زیادہ مانع نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو میرا خیال ہی نہیں کرتا، اسلئے میرا خیال تیرے دل میں نہیں آتا،

مومن کے اس شعر کا:۔

تیغ غمزہ کو لگا لے جلد سنگ سرمہ پر　　　حرف مطلب آرزومند جفا کہنے کو ہین

یہ مطلب بیان کیا ہے، کہ "تیری جفاؤن کے آرزومند (عاشق) حرف مطلب کہنے والے ہین، تجھے چاہئے کہ ان کے جواب کے لئے آمادہ ہوجا، اور غمزہ کی تلوار کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، یعنی آرائش جمال کرکے غمزہ کو نہایت بیدادگری کر، کیونکہ یہی (آرزوے بیداد) ہمارا مطلب ہے، حالانکہ شعر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تیرے آرزومند جفا حرفِ مطلب کہنے والے ہیں، ایسی حالت میں ان پر جفا کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تو ان کے حرفِ مطلب کا جواب ہی نہ دے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ تیغ غمزہ کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، کیونکہ شاعرانہ عقیدہ یہ ہے کہ سرمہ کے کھانے سے آواز بند ہو جاتی ہے، اسلئے غمزہ ان کا جواب نہ دیسکے گا، اس قسم کی اور بھی غلطیاں تتبع و تلاش سے نکل سکتی ہیں، لیکن با اینہمہ اونھون نے ایک مفید خدمت انجام دی ہے جس سے اردو علم ادب کو معقول فائدہ پہنچے گا،

"ع"

مطبوعات جدیدہ

الخیر الکثیر (عربی) از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مصححہ مولٰنا سید محمد احمد رضا بجنوری استاذ جامعہ ڈابھیل، ناشر مجلس علمی ڈابھیل، ضلع سورت، حجم ۱۳۰ صفحات، قیمت درج نہیں،

یہ حضرت شاہ صاحب کی کلام و تصوف میں مشہور کتاب ہے، جسے پہلی مرتبہ مجلس مذکور نے چند قلمی نسخوں سے تصحیح و مقابلہ کر کے شائع کیا ہے، کتاب کے مباحث دس بابوں میں بیان ہوئے ہیں، ان میں ذات واجب الوجود معرفت ذات، شرح اسمائے حسنیٰ، صفات الٰہیہ، وحدت وجود، موجودات و مخلوقات، و ارواح، ماہیت نبوت اعیانِ انبیاء علیہم السلام، خصوصیات انبیائے سابقین، خصائص نبی آخر الزمان صلعم، علوم قرآن، حدیث، صحابۂ کرام، سترِ اعمال تقرب الی اللہ اور حقیقت کلمہ شہادت کے اسرار و غوامض ہیں، پھر اوامر و نواہی شرعیہ، عبادات تلاوت واذکار، تسبیح و تہلیل، جہاد، حد، ذبح وغیرہ کے مسائل ہیں، پھر معاد پر گفتگو ہے، جس میں قبر، برزخ، قیامت نزولِ عیسیٰ، دجال اور حشر و نشر کا بیان ہے، آخری باب میں چند متفرق مسائل و مباحث ہیں، اس کتاب میں بھی شاہ صاحبؒ کا انداز بیان اور حقائق و اسرار کی عقدہ کشائی کا وہی انداز ہے، جو ان کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے، رسالہ کے مرتب و مصحح نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کے نسخوں کے حالات لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ کے مختصر سوانح اور ہندوستان میں ان کی دینی تجدید و احیاء کی کوششوں کا اجمالی ذکر کیا ہے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ کے ایک عزیز شاگرد مولوی محمد عاشق صاحب مرحوم پھلتی کا اس کتاب پر لکھا ہوا فارسی مقدمہ درج کیا ہے، ان تصنیفات کی اشاعت سے جامعہ ڈابھیل کی مجلس علمی مفید دینی خدمات انجام دے رہی ہے،

اصلِ حیات، از جناب ضامن حسین صاحب، نقوی، ناشر جناب شفقت حسین صاحب وکیل،

سکریٹری رفاہِ عام سوسائٹی، برہام پور بریلی، حجم ۱۷ صفحات تقطیع چھوٹی قیمت :- ۱۳ر

اس رسالہ میں حیاتِ مابعد کو عقلی دلائل و نظریات سے ثابت کیا گیا ہے، ادھر چند سال سے لکھنؤ کے رسالہ نگار میں حیاتِ مابعد، بقائے روح، قیامِ قیامت، اور روزِ جزا و سزا کا مختلف پہلوؤں سے انکار کیا گیا تھا، اور موت و حیات کی تعبیر مادیین کے اسی فرسودہ نظریہ "عناصر میں ظہور ترتیب اور انہی اجزاء کی پریشانی" سے کی گئی تھی، رسالہ اصلِ حیات کے مولف نے مدیر نگار سے علم و دلائل کے نام پر اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے نجی کی مراسلات کر کے انہیں سنجیدہ بحث و نظر کی دعوت دی، مگر موصوف اپنے جوابی خطوط میں ادھر ادھر کی باتیں بنا کر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے گریز کرتے رہے، اس کے بعد مؤلف نے مسئلۂ حیاتِ مابعد پر محض علمی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے دلائل و نظریات سے مستحکم ایک مقالہ معارف میں شائع کرایا، اور اس موضوع پر مفصل تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن اس سے پہلے محض رفعِ شکوک کے لئے معارف کے اسی مقالہ پر ایک مفصل دیباچہ و مقدمہ بڑھا کر اسے "اصلِ حیات" کے نام سے مرتب کر کے شائع کرایا ہے، دیباچہ میں مولف اور مدیر نگار کی مفصل خط و کتابت بھی شائع کی گئی ہے، اور جن لوگوں کی نظر سے رسالہ نگار گذرتا ہے، انہیں یہ رسالہ مفت دینے کا اعلان کیا ہے، رسالہ کے مباحث اگرچہ فلسفیانہ ہیں، اسلئے فلسفیانہ الفاظ و محاورات کا استعمال ناگزیر تھا، تاہم عبارت اس قدر شستہ اور عام فہم ہے کہ سرسری مطالعہ میں اسکی روانی میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی

بھگوت گیتا یا نغمۂ خداوندی، ترجمہ جناب محمد اجمل خانصاحب ایم اے، ادارۂ نوائیس الٰہیہ، وائرہ، الٰہ آباد، حجم ۲۳۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عمر

یہ ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب بھگوت گیتا کا سلیس اردو ترجمہ ہے، اگرچہ اس وقت تک اس کتاب کے متعدد ترجمے اردو میں ہو چکے ہیں، لیکن یہ ترجمہ اس حیثیت سے انوکھا ہے کہ اس میں ہندو مذہب کے اصطلاحی الفاظ کو بھی اسلامی مذہب و تصوف و اخلاق کی اصطلاحوں میں منتقل کیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں مترجم نے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے، جس میں سری کرشن جی کو مرسل، مان کر ان کی تعلیمات کو الہامی قرار دیا ہے،

اور آیات قرآنی سے اس کے ثبوت پیش کئے ہیں، لیکن اسلامی شریعت کے روسے شخصی طور پر انہی انبیاء کی تصدیق کیجائے گی جن کے نام قرآن میں ہمیں بتائے گئے ہیں، نیز مترجم نے قدیم آریوں کے مذہب پر بحث کرکے دکھایا ہو کہ ایک خدا کا تصور ان کے ذہن میں موجود رہا تھا" لیکن ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر انھیں موحد نہیں سمجھا جاسکتا،

بھگوت گیتا سے دکھایا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں مین جات پات کی تفریق نہ تھی، اس کے بعد بھگوت گیتا کے زمانہ تالیف وغیرہ پر بحث کرکے اسکی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا، اور فلسفہ ویدانت کی مطابقت تصوف اسلام سے دکھائی جاہی ہے، پھر گیتا کی مختلف اخلاقی و معاشرتی تلقین "جنگ" و "ایذا رسانی" وغیرہ پر بحث کیگئی ہے، اور آخر مین "عشق حقیقی" کا مرتبہ دکھایا ہے، یہ مقدمہ متانت، سنجیدگی، بے تعصبی، اور ایمانداری کے ساتھ لکھا گیا ہو، اس لئے اگرچہ ہمین اس کے بعض نظریوں سے اتفاق نہ ہو، تاہم وہ ہمارے نزدیک لائق ستائش ہے، اس مختصر کتاب کا روشن پہلو یہ بھی ہے، کہ اس کے ترجمہ کی تصحیح ایک پنڈت صاحب نے کی، پھر ڈاکٹر بھگوان داس نے اس کا ایک ایک لفظ سنسکرت سے ملاکر پڑھا، اور اپنے مقدمہ میں ترجمہ کی صحت کی تصدیق اور مقدمہ کے نظریوں اور بیانون سے اپنا کامل اتفاق ظاہر کیا،

تبصرۂ الملیہ، از جناب مرزا اسد علی بیگ صاحب برلاسی، ہیڈ ماسٹر مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ، حجم ۴۸ صفحے، قیمت ۴ر

اس رسالہ میں مختلف لسانی، جغرافی، تمدنی، اور معاشرتی شہادتون سے یہ دکھانے کی کوشش کیگئی ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم ایلؔ سے تھے، جس سے مغل و ترک اقوام ہیں،

سودیشی اردو، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب ۳۰ صفحے، قیمت ۴ر پتہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاپ، حیدرآباد دکن،

یہ رسالہ سید انشاء کی کتاب داستان رانی کیتکی کے طرز پر لکھا گیا ہو یعنی اسمیں اردو فارسی کا کوئی لفظ نہ آنے پایا، مضامین میں زیادہ حصہ چند چند سطروں کی کہانیوں پر مشتمل ہو، اسی طرح کسی درخت پھل وغیرہ پر چند چند سطرین اور چھوٹے چھوٹے خطوط اور لطیفے درج ہین، بچے اسے شوق سے پڑھینگے اور ان کیلئے مفید ہوگا،

"س"

جلد ۳۶ | ماہ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء | عدد ۴

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲-۲۴۴
سسلی میں مسلمانوں کا تمدن،	سید ریاست علی ندوی،	۲۴۵-۲۶۲
"سرودِ زندگی"	مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین،	۲۶۳-۲۷۵
تصوف کی اجمالی تاریخ،	مولٰنا عبد السلام ندوی،	۲۷۶-۲۸۶
کیمیا پر ایک قدیم چینی رسالہ،	"ع ز"	۲۸۷-۲۸۹
ایک بین الاقوامی قومی زبان کی تجویز،	"	۲۹۰-۲۹۲
اخبار علمیہ،	"	۲۹۳-۲۹۶
غزل مزمل،	جناب ڈاکٹر سر نواب مزمل اللہ خان بہادر بالقابہ	۲۹۷
نور معرفت،	حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی	۲۹۸
کلام طالب،	جناب طالب گنوری، لاہور	"
چند نئے اخبارات اور رسالوں کے خاص نمبر،	"ض"	۲۹۹-۳۱۸
مطبوعات جدیدہ،	"	۳۱۹-۳۲۰